آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے :. لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ | بابت ماہ مارچ ۱۹۰۸ء | نمبر ۳

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - مارچ ۱۹۰۸ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا چندہ سالانہ عا

صدر انجمن احمدیہ قادیان

یہ انجمن اس وقت حسب ذیل کام کر رہی ہے۔

(۱) اشاعت اسلام۔ اس غرض کے لیے رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی میں جاری کیا گیا ہے جس کی ایک کثیر تعداد یورپ اور امریکہ اور جاپان میں مفت بھیجی جاتی ہے۔ اس خرچ کے پورا کرنیکے لیے یہ لازمی قرار دیا گیا ہے کہ سب احباب جو اس سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں اعانت کا کچھ نہ کچھ چندہ دیں یا اپنے خرچ پر ایک ایک دو دو چار چار دس دس رسالے باہر بھجوا دیں فی رسالہ جو باہر بھیجا جائے چندہ للعہ سالانہ ہے۔ مگر انگریزی رسالہ کی قیمت ہندوستان کے لیے للعہ رسالانہ ہے۔ بعض کتب انگریزی میں طبع کر کے اسی غرض کیلیے مفت تقسیم کیجاتی ہیں۔ رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو میں بھی شایع ہوتا ہے جسکا چندہ عاہ سالانہ ہے۔ ان احمدی احباب کو جو استطاعت رکھتے ہیں چاہیئے کہ اس رسالہ کو خریدیں اور پڑھیں کیونکہ اس میں نہایت قیمتی اور اہم مضامین درج ہوتے ہیں اور ہر قسم کے اعتراضات اور وساوس دور کیے جاتے ہیں۔ ان مضامین سے واقفیت حاصل کرنا ہر ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ سب احباب کا فرض ہے کہ علاوہ خود خریدار بننے کے اس رسالہ کی خریداری کی تحریک اپنے احباب مین بھی کریں۔ رسالوں کے علاوہ اس مد کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی ہے جس میں حضرت اقدسؑ اور بعض احباب کی تصانیف اور بعض مفید اسلامی کتب فروخت کی جاتی ہیں۔

(۲) تعلیم دینی و دنیوی۔ اس غرض کے لیے ایک مدرسہ انگریزی انٹرنس تک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

بابی مذہب - ۵

باب اور بہاءاللہ کے دعاوی کا پیشکردہ ثبوت

ہم اب بڑے اہم اور ضروری سوال پر آپہنچے ہیں جو ہر ایک مذہب پر عائد ہو سکتا ہے۔ یعنی کہ کوئی مذہب اپنے دعویٰ کی صداقت میں کیا ثبوت پیش کرتا ہے۔ ہم اس مضمون میں باب اور بہاءاللہ کے دعاوی کے متعلق اس ثبوت پر بحث کریں گے جو ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ اور ناظرین پر اس بات کا فیصلہ چھوڑتے ہیں کہ وہ ثبوت دعویٰ کو کہاں تک مستحکم اور مضبوط کرتے ہیں۔ مگر ہم یہ ابتداءً جتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جتنا عظیم دعویٰ ہوگا اتنا ہی اسکا ثبوت مضبوط بکار ہوگا۔ اور پیشکردہ ثبوت کا طرز استدلال دعویٰ کے مطابق ہونا چاہیئے سو اس بارہ میں یاد رکھنا چاہیئے کہ بہاءاللہ نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ ایک نئے مذہب کا بانی ہے جس نے صرف پہلے مذاہب ہی کو منسوخ نہیں کیا بلکہ پہلے تمام انبیاءؑ سے وہ ایسا بڑھکر ہے کہ اس کا ظہور خود اللہ تعالیٰ کا ظہور ہے۔ اور جس خدا نے گذشتہ زمانہ میں انبیاءؑ اور رسل بھیجے تھے اب وہ گویا خود ہی انسانی جامہ پہنکر آگیا ہے۔ اس لیے اگر پہلے مذاہب اپنی صداقت دعویٰ کو معجزات اور پیشگوئیوں سے ثابت کر سکتے تھے تو ایسے دلایل بہاءاللہ کے دعویٰ کی صداقت کے لیے کافی و شافی نہیں ہو سکتے۔ بہاءاللہ کے دعویٰ کو یسوع مسیح کے دعویٰ

سے مقابلہ کر سکتے ہیں جس کے معجزات جو اناجیل میں ذکر کیے گئے ہیں اگر ہم مان لیں کہ واقعی وقوع میں آگئے تھے۔ تو بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ وہ یعنی یسوع مسیح خدا تھا۔ ان سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ محض انسان تھا۔ اور اس میں ذرا بھر بھی خصوصیت نہ تھی بلکہ وہ اور بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح بشر رسول تھا کیونکہ اس کا بڑے سے بڑا معجزہ مُردوں کو زندہ کرنا تھا اور وہ بھی اسرائیلی انبیاء کی گذشتہ تاریخ میں اپنی نظیر رکھتا تھا۔ نہیں۔ بلکہ مسیح کے معجزات سے بڑھ چڑھ کر گذشتہ انبیائ کے معجزے مذکور ہیں لہذا اگر یسوع نے اور انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر کچھ نہیں دکھلایا اور اس کی قدرت کا کوئی نمونہ جو اور بشر رسول سے بڑھ کر ہو کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تو اسکو اسکے ثبوت کے مطابق صرف بشر رسول مان سکتے ہیں اس سے بڑھکر نہیں کیونکہ اور انبیاء جو عند الفریقین بشر تسلیم کیے گئے ہیں انہوں نے بھی یہ معجزات بلکہ انسے کئی درجہ بڑھکر دکھلائے ہیں جو عہد عتیق میں بتصریح مذکور ہیں۔ اس مقابلہ سے ہماری یہ غرض نہیں ہے کہ باب اور بہاء اللہ کی طرف سے محکم دلایل پیش کیے گئے ہیں جو انکو رسالت کا تاج تو پہناتے ہوں مگر خدائی تک نہ پہنچا سکتے ہوں۔ ناظرین کو خود معلوم ہو جائیگا کہ بابی مذہب کے دونوں بانیوں کے دعووں کی تائید میں کوئی قابل ذکر ثبوت نہیں بیان کیا گیا اور باب اور بہاء اللہ کے بڑے دعووں کی تمام عمارت صرف محض چند ڈھکوسلوں پر اور نہایت ہی رکیک تاویلوں پر تعمیر کی گئی ہے جنکو پڑھکر ہنسی آتی ہے۔

پہلے ہم باب کے دعویٰ کو لیتے ہیں۔ ہمارے سامنے اس قسم کی کوئی شہادت نہیں جس سے معلوم ہو سکے کہ علی محمد نے اپنے لیے کوئی دلایل بھی پیش کیے تھے۔ البیان ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے اور بابی فرقہ کی پچھلی تصنیفات جن میں بہاء اللہ کی کتابیں بھی شامل ہیں باب کے کسی معجزہ دکھانے یا اس کی کسی پیشگوئی کے پورا ہونیکی طرف کچھ اشارہ نہیں کرتیں۔ ہاں اس میں صرف ایک پیشگوئی بیان کی گئی ہے جو بہاء اللہ کے ظہور کی بابت ہے اور وہ

پیشگوئی بھی اپنی طرز میں اور بہ سبب اسکے کہ وہ شک و شبہ سے پاک نہیں ہے اور
اس قابل ہی نہیں کہ اسکو وہ مرتبہ دیا جاوے جو ان پیشگوئیوں کو دیا جاتا ہے جنسے قطعی اور
یقینی شہادت پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کے سلوب الیقین ہونے پر بڑی دلیل یہ ہے
کہ اس زمانہ کے بہت سے بڑے بڑے بابیوں نے بہاء اللہ کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا اگر باب
کی پیشگوئی صاف ہوتی تو پھر انکو بہاء اللہ کے رد کرنیکی ہرگز گنجایش نہ تھی اسلیئے یہ دلیل
مفید مطلب نہیں ہو سکتی۔ خود بیان میں بھی کوئی پیشگوئی نہیں ہے سوائے اس پیشگوئی
کے جو اوپر بیان کی گئی ہے پس باب اور بابیوں کی تحریریں بابی مذہب کے بانی کے دعویٰ
کی دلیلوں اور ثبوت سے ساکت ہیں۔ باب کے ایک پُر جوش اور عالی معتقد نے باب کا صرف
ایک ہی معجزہ بیان کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اسکے قتل کے وقت باب پر جو گولیاں چلائی
گئی تھیں وہ اسپر اپنا اثر نہیں کر سکیں۔ لیکن ایک واقعہ نے اس معجزہ پر بھی پانی پھیر دیا
ہے۔ کہتے ہیں کہ جب اسکے قتل کا حکم صادر ہوا۔ تو اسکو ایک رسّے سے باندھ کر لٹکایا گیا تھا
اور ایک دستہ فوج کو حکم دیا گیا کہ اسپر فائر کریں اسکا ساتھی تو مر گیا۔ مگر گولیاں اس تک
نہیں پہنچیں۔ اور اس واقعہ کو ایک بڑے معجزہ کی شکل میں دکھایا جاتا ہے۔ مگر گولیوں نے
اُن رسّیوں کو توڑ دیا جن کے ساتھ وہ بندھا ہوا تھا۔ اور دھوئیں کی تاریکی میں باب نے
چھپنے کی کوشش کی۔ مگر دھواں جلدی دُور ہو گیا اور وہ بھاگتا ہوا دیکھا گیا اور اپنی پہلی
جگہ پر واپس لایا گیا اور دوسرے فائر نے اسکا کام تمام کر دیا۔ اس میں کوئی معجزہ نمائی نہیں ہے
باب کا ایک امریکن معتقد اسکے ایک اور معجزہ کی مندرجہ ذیل کہانی بیان کرتا ہے ”باب نے
اپنے مرنے سے چھ ماہ پیشتر اپنا ایک مختوم خط اپنے ایک مرید مسمی حاجی سلیمان خان کے
پاس بھیجا اور اسکو یہ تعلیم دی کہ اس مُہر کو اسوقت توڑنا جبکہ تجھ پر سخت خوف اور غم طاری ہو جاوے
جب باب کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا اور اس کے اس مرید نے اسکے بندوقوں سے مارے
جانیکی اطلاع پائی تو وہ سمجھ گیا کہ یہ وہی واقعہ ہے جسکی پہلے سے خبر دی گئی تھی اور خط کی

مُہر کو توڑ دیا۔ اور اس خط کا مضمون یہ تھا کہ اس تحریر کی تاریخ سے لیکر چھٹے ماہ بعد باب تبریز میں شہادت کا رتبہ حاصل کریگا۔ یہ تاریخ بعینہٖ اس کے قتل کی تاریخ تھی۔ اور اس خط میں اسکی لاش کے متعلق بھی ہدایات لکھی ہوئی تھیں۔ اس کے مریدان کے وقت سنتریوں کے پاس گئے جو اس کی لاش پر پہرہ دے رہے تھے۔ جبکہ وہ شہر کی فصیل سے باہر کی خندق میں پڑی ہوئی تھی۔ اور اس کے پاس اس کے رفیق کی لاش بھی تھی۔ انہوں نے سنتریوں کو رشوت دی اور وہ لاشوں کو اُٹھا کر لے گئے۔ وہ سفید ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کے ایک صندوق میں رکھی گئیں اور بعد ازاں طہران کو منتقل کی گئیں۔ اور ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہے۔ کہ ایک خانقاہ اور ایک قبر کا کسی اور جگہ انتظام کیا گیا ہے۔"

اس میں اس قصہ یا اس مختوم خط کی صداقت کا ثبوت بالکل نہیں دیا گیا۔ اس مقام پر یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ اگر تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ یہ خط لکھا گیا تھا تو یاد رہے کہ یہ خط اسوقت لکھا گیا تھا۔ جبکہ علی محمد قتل کے لیے گرفتار کیا جا رہا تھا۔ اور اس صورت میں یہ پیشگوئی اٹکل اور ظن سے بڑھکر مرتبہ نہیں رکھتی۔ بہرحال محض ایک شخص کی گواہی پر حالانکہ اس شہادت کی تائید میں اور کچھ ثبوت پیش نہیں کیا گیا ہے اس واقعہ کی صداقت ثابت نہیں ہو سکتی جس سے ایک طالب حق تشفی پا سکے۔ باب کے اور معجزات جو اس کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں معجزہ کے نام کی ہتک ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک پور ا راسخ الاعتقاد مُلّا ایک دفعہ بغرض بحث اور اس کی صداقت کا نشان طلب کرنیکے لیے اس کے پاس گیا مگر اسکی فصاحت پر ایسا لٹو ہوا کہ فوراً اسکا مرید ہو گیا اور پھر اس نے نشان اور معجزہ طلب نہ کیا۔ ایک کی بابت بتلایا جاتا ہے کہ وہ صرف باب یا باب کے بعض شاگردوں کے برخلاف عام لوگوں کی مخالفت دیکھ کر بابی بن گیا تھا۔ ایسے ایسے واقعات کو باب کے معجزات کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ اور اس کے مذہب کی سچائی کا ثبوت دیا جاتا ہے۔ علی محمد نے صرف اپنی کتاب بیان کو اپنا معجزہ قرار دیا ہے۔ اُس نے دعویٰ کیا ہے کہ

یہ کتاب معجزہ کے طور پر اس کو ملی ہے اور اس میں خدا کا کلام اور اس کی وحی درج ہے اور تمام دنیا اس کی مانند بلکہ اس کے ایک حرف یا صرف ایک نقطہ کی مانند بھی نہیں بنا سکتی۔ یہ دعویٰ جو کہ قرآن کریم کے دعوے کی نقل ہے حد درجہ کی لغویت تک پہنچا یا گیا ہے۔ کیونکہ بیان کے حروف اور نقطے معمولی حروف اور نقطوں سے الگ نہیں ہیں۔ ادب کے لحاظ سے یہ کتاب کسی اعلیٰ پایہ کی نہیں۔ جب علی محمد کے سامنے بیان کی غلطیاں بیان کی گئیں۔ تو اس نے جواب دیا کہ ہم نے الفاظ اور حروف کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے معمولی استعمال سے الگ ہو کر کام دیں۔ پھر جب بہاء اللہ ظاہر ہوا تو اس نے اسی کتاب کو جسے باب لاثانی کہتا تھا محض نکمی اور بیہودہ اور منسوخ قرار دیا اور یہ اعلان کیا کہ ساری بیان اس کے اپنے کلام اور اپنی تحریر مثل کتاب الاقدس وغیرہ کے ایک جملہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی بحر العرفان بابی مذہب کی ایک کتاب ہے اس میں علی محمد کے دعویٰ اور دلایل کو بسط سے ذکر کیا گیا ہے بعض ان میں سے قابل تذکرہ ہیں نہ اس لیے کہ ان سے کچھ واقعی شہادت ملتی ہے بلکہ محض عجوبہ کے طور پر لکھے جاتے ہیں۔ قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیات سے علی محمد کی آمد کا اشارہ نکالا گیا ہے۔ یسئل ایان یوم القیامۃ۔ فاذا برق البصر۔ وخسف القمر۔ وجمع الشمس والقمر۔ یعنی انسان پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا۔ جب آنکھیں چندھیا جائیں گی اور چاند گرہن واقع ہوگا اور سورج اور چاند (روشنی نہ دینے میں) جمع ہو جائیں گے۔ یہ دعویٰ کیا گیا ہے۔ کہ یوم القیامۃ سے مراد علی محمد کا ظہور ہے۔ اگرچہ وہی مصنف اسی کتاب کے دوسرے مقام پر یوم القیامۃ سے مراد بہاء اللہ کا ظہور قرار دیتا ہے۔ لیکن ہم اس تھوڑے سے تضاد کی پروا نہیں کرتے۔ بحر العرفان کا فاضل مصنف دعویٰ سے کہتا ہے کہ علی محمد کا نام کھلے طور سے ان آیات مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے اور تشریح اس کی یوں کی گئی ہے کہ خسف قمر سے مراد اسلامی شریعت کا منسوخ ہونا ہے اور جمع شمس و قمر علی محمد کے نام کے قائم مقام ہے اس طرح پر کہ شمس سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور قمر سے مراد علی ہے۔ اور ان دونوں

کے جمع ہونیسے مراد ایسا آدمی ہے جس کا نام محمد اور علی الفاظ سے مرکب ہوگا۔ اور وہ اپنے ساتھ ایک نئی شریعت لائیگا اس ترجمہ کے لحاظ سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ خسف قمر سے مراد خسف علی ہے کیونکہ اس فقرہ میں جو قمر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد اسلامی شریعت لی گئی ہے۔ گویا بابی تاویلوں کے مطابق ہمیں الفاظ کے معانی کی تتبع نہیں کرنی چاہیئے بلکہ انکے معانی کو اپنے خیال کے ماتحت کر لینا چاہیئے۔ بحر العرفان کے نازک خیال مصنف نے مذکورہ بالا محولا آیات کے بعد مندرجہ ذیل آیات کو لکھ کر علی محمد کی آمد کا ایک اور ثبوت پیش کیا ہے یقول الانسان یومئذ این المفر۔ کلا۔ لا وزر۔ الی ربك یومئذ المستقر۔ یعنی اس دن انسان کہیگا۔ بھاگنے کیلیے کہاں جگہ ہے۔ ہرگز نہیں کوئی جائے پناہ نہیں تیرے رب کے حضور ہی اس دن جائے پناہ ملیگی۔ (سورۃ القیامۃ) محولا بالا آیت کے لفظ رب سے مراد علی محمد سے لی گئی ہے۔ اور یہ اس طرح سے ثابت کیا گیا ہے کہ عربی لفظ رب کی عدد جمل کے لحاظ سے دو سو دو عدد ہوتے ہیں۔ اور عدد جمل کے حساب سے علی محمد کے عدد بھی ۲۰۲ ہوتے ہیں جس سے صاف منطقی نتیجہ نکل آتا ہے کہ رب سے مراد علی محمد ہے ایک بابی کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا پکی دلیل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ عدد جمل کے حساب سے ثابت کر دیا گیا ہے۔

مصنف بحر العرفان جمع شمس و قمر اور رب سے مراد علی محمد لینے میں بہت ہی اصرار کرتا ہے۔ اب ایک جگہ تو شمس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور قمر سے مراد علی۔ پر دوسری آیت میں قمر سے مراد اسلامی شریعت ہے اور یہ دونوں آیات باہم پیوستہ ہیں اور سیاق سباق ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ ہر دو کے معنے الگ الگ کیے جاویں۔ ایسے ایسے دلایل اور حجج صرف ان آیات سے ہی اخذ نہیں کیے گئے جن میں کہ قیامت کا ذکر ہے بلکہ بعض اور آیات سے بھی بابی مصنف نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔ مثلاً سورہ بنی اسرائیل کی آیات مندرجہ ذیل اقم الصلوٰۃ لدلوك الشمس الی غسق اللیل و قرآن الفجر۔ ان قرآن الفجر کان

مشھوداً ومن اللیل فتھجد بہ نافلۃً لک۔ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً
اس کا صاف صاف اور صحیح ترجمہ تو یہ ہے۔ کہ "زوال آفتاب سے لیکر پہلی رات کے اندھیرے
تک یعنی جو اوقات زوال آفتاب سے لیکر غسق اللیل تک آتے ہیں ان اوقات میں نماز
پڑھا کر (یعنی ظہر۔ عصر۔ مغرب اور عشا کے وقتوں کی نمازیں) اور صبح کی نماز میں قرآن
پڑھا کر۔ صبح کے قرآن سننے کیلیے ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور رات کو اُٹھ اُٹھ کر نماز پڑھا کر
یہ تیری زائد ترقی کا موجب ہوگی۔ قریب ہے کہ تیرا رب تجھکو مقام محمود پر پہنچا دیوے" لیکن
بحر العرفان کا بابی مصنف ان آیات سے بھی علی محمد کی آمد نکالتا ہے اور زور سے کہتا ہے
کہ ان آیات میں علی محمد کا بتصریح ذکر موجود ہے۔ اس کے نزدیک پہلی آیت کے یہ معنے
ہیں کہ ۱۲۶۱ سنہ ہجری تک اسلامی شرع کے مطابق نماز پڑھنی چاہیئے۔ اور اس کے بعد اسلامی
شریعت منسوخ ہو جائیگی اور نوع انسان کیلیے ایک نئی شریعت آئیگی اور اس وقت کی
نمازیں اس شریعت کے مطابق ہونگی۔ ولوک الشمس سے مراد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کی وفات مبارک ہے اور غسق اللیل سے مراد اس شریعت کا دنیا سے چلے جانا ہے جو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے۔ اور اسلامی شریعت کے منسوخ ہونیکی تاریخ غسق اللیل میں بتائی
گئی ہے۔ مگر یہ تاریخ بابی ترجمہ کی عینک سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ عدد جمل کے حساب سے
غسق اللیل کے حروف کے عدد ۱۲۳۱ ہوتے ہیں اگر وہ عدد قرآن شریف کے رسم الخط
کے مطابق الیل میں ایک لام لیا جاوے۔ اور اگر بحر العرفان کی تحریر کے مطابق پڑھا جاوے
تو اس کے ۱۲۶۱ عدد ہوتے ہیں۔ لہٰذا غسق اللیل کے معنے ۱۲۶۱ قمری سالوں کا گذرنا ہے
اور اگرچہ ایک طرف اسکی ابتدا رسول اللہ صلعم کی وفات سے قرار دی گئی ہے۔ مگر سنہ کا
شمار کرتے وقت ابتدا ہجرت نبوی سے لی گئی ہے۔ ان تمام بے سروپا تجاویز کی مدد سے
سنہ ۱۲۶۱ ہجری کو وہ سال قرار دیا گیا ہے جس میں اسلامی شریعت کو علی محمد کی شریعت سے
منسوخ مانا گیا ہے۔ مگر علی محمد کا دعویٰ اس سے بھی تین سال بعد ظہور میں آیا۔

درحقیقت قرآن کریم کی کوئی آیت نہیں جس پر بابی کا ہاتھ لگے اور پھر وہ اس آیت سے علی محمد کے ظہور کا نتیجہ نہ نکالے۔ مثلاً ان آیات کو لو جنسے سورۃ الرحمٰن شروع ہوتی ہے۔ الرحمٰن ۔ علم القرآن ۔ خلق الانسان ۔ علمہ البیان ۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ رحمٰن نے قرآن سکھایا ۔ اس نے انسان کو پیدا کیا اور اسکو بولنا سکھایا ۔ مگر بابی تاویل یہ ہے کہ انسان سے مراد علی محمد اور بیان سے مراد اس کی تصنیف ہے ۔ پھر الشمس والقمر بحسبان ۔ یعنی سورج اور چاند اپنے وقت پر کام کر رہے ہیں اس کے معنے بابی ترجمہ کے مطابق یہ ہیں کہ علماء اہل اسلام بوجہ علی محمد کے قبول نہ کرنے کے دوزخ میں ڈالے جاویں گے ۔ والنجم والشجر یسجدان ۔ پودے اور درخت خدا کی فرمانبرداری میں ہیں ۔ بابیوں کے نزدیک اس کے یہ معنے ہیں کہ عام لوگ علی محمد کے دعویٰ کو تسلیم کریں گے ۔ والسماء رفعھا ووضع المیزان ۔ یعنی اس نے آسمان کو بلند کیا اور میزان مقرر کی ۔ مگر بابی تاویل کی رو سے اس کے یہ معنے ہیں کہ اسلامی شریعت اُٹھ جائے گی اور نئی شریعت اور میزان اس کی جگہ لے لیگی ۔

قرآن شریف کی سورتوں کے شروع میں جو مقطعات ہوتے ہیں یہ بھی بابیوں کے نزدیک علی محمد کی طرف ایما کرتے ہیں ۔ مثلاً سورۃ الشوریٰ حٰمٓ ۔ عٓسٓقٓ سے شروع ہوتی ہے ۔ مؤلف بحر العرفان خیال کرتا ہے کہ ان پانچ حروف میں علی محمد کا نام صاف اور صریح طور پر بتلایا گیا ہے ۔ حٰمٓ سے مراد محمد اور عین سے مراد علی اور سین سے سید اور قاف سے قایم لی گئی ہے ۔ پس ان پانچوں حروف مقطعہ سے مراد یہ ہوئی کہ علی محمد امام منتظر ہے ۔ ہم امید کرتے ہیں ۔ کہ ناظرین ان مثالوں سے ان دلایل کا اندازہ لگا لیں گے جو علی محمد باب کی صداقتِ دعویٰ میں بطور ثبوت پیش کیے جاتے ہیں ۔

شیعوں میں حدیث کا ذخیرہ چونکہ کسی تنقید کے ماتحت نہیں آیا اس لیے اس میں بہت سی روایتیں واہیات اور لغو قصہ کہانیوں سے پُر ہیں ایسے بُرے اور بے تُکے

مجموعہ ہیں۔ بعض الفاظ کو کسی خاص دعویٰ پر چسپاں کر لینا کچھ مشکل امر نہیں۔ چنانچہ علی محمد کے مریدوں نے ایسا کیا ہے۔ مثلاً ان روایات میں سے بعض ایسی بیان کی گئی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام فارس میں پیدا ہوگا۔ اور اس کا نام محمد اور علی سے مرکب ہوگا وہ نئی شریعت لائیگا اور دعویٰ مہدویت کرنیکے بعد سات سال تک زندہ رہیگا۔ اب ان چند باتوں کو تو علی محمد کے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے مگر اسی ذخیرہ میں ہزارہا اور بھی ایسے نشانات ہیں جو علی محمد کے دعویٰ کے عین متضاد ہیں۔ انکا ذکر تک بھی نہیں کیا جاتا۔ بہرحال ان احادیث سے باب کے دعویٰ کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

مگر بابی مذہب میں بہاء اللہ کے دعاوی زیادہ تر شہرت رکھتے ہیں اور بابی مذہب کی دلچسپی کا زیادہ تر انحصار انہی دعاوی پر ہے۔ یہاں بھی ثبوت برائے نام ہے اور اسی قسم کا ہے جیسا باب کے دعاوی کے متعلق پیش کیا گیا ہے۔ بالخصوص بائبل کی پیشگوئیوں کے مطابق وقت کے شمار پر زیادہ زور دیا گیا ہے دانیال کے بارھویں باب میں اس قسم کی بعض پیشگوئیاں ہیں۔ مثلاً گیارھویں آیت میں جو ۱۲۹۰ دن کا ذکر کیا گیا ہے اس سے توڑ مروڑ کر یہ مراد بابیوں نے لی ہے کہ اس سے مذہب اسلام کی ابتدا سے لیکر ۱۲۹۰ قمری سال مراد ہیں اور پھر یہ کوشش کی ہے کہ کسی نہ کسی طرح وقت شمار ایسا کیا جاوے جو بہاء اللہ کے دعویٰ کے وقت کے ساتھ منطبق ہو اس میں شک نہیں کہ بائبل کا شمار بحساب قمری سالوں کے ہے جب ۱۲۹۰ قمری سالوں کو شمسی سالوں میں تبدیل کیا جاوے اور پھر اس میں ۶۲۲ سال اور بڑھا دیئے جاویں یعنی ان سالوں کو شامل کیا جاوے جو مسیح سے لیکر ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کا زمانہ ہے۔ تو عیسوی سنہ ۱۸۷۳ ہوتا ہے لیکن بہاء اللہ نے ۱۸۶۳ء میں دعویٰ کیا اور یہ دس سال کا فرق ہے اس نقص کو اس طرح پر دور کرنیکی کوشش کی گئی ہے کہ مذہب اسلام کی ابتدا سنہ ہجری سے دس سال پیشتر لی گئی ہے اور اس طرح پر پیشگوئی کے سال کو بہاء اللہ کے دعویٰ کے سال کے ساتھ منطبق کیا گیا

ہے مگر واقعی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ سے مدینہ میں ہجرت فرمانا آپکے دعویٰ رسالت سے تیرہ سال بعد واقع ہوا ہے۔ بموجب اس شمار کے ہم ۱۸۶۰ء تک پہنچتے ہیں اور اس طرح پر اس شمار کا سارا تار و پود بگڑ جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ پیشگوئیاں آخری موعود کے ظہور کے وقت کا صرف اندازہ ظاہر کرتی ہیں اور انکو ٹھیک طور پر سالوں اور مہینوں پر منطبق کرنا عبث کوشش ہے۔

مکاشفات کا بارھواں باب بھی انہی نتائج کی تائید میں پیش کیا گیا ہے جو دانیال کے بارھویں باب سے اخذ کیے گئے ہیں۔ دراصل یہ تمام تشریحات بہاء اللہ نے نہیں کیں بلکہ اس کے مریدوں نے کی ہیں پیران نمی پرند۔ مریدان می پرانند۔ اور مدعی سست گواہ چست کا معاملہ ہے۔ وہ عورت جس کا ذکر بارھویں باب کی پہلی آیت میں ہے۔ اسکو ایسا ظاہر کیا گیا ہے کہ گویا اس کا لباس شمسی ہے اور قمر اس کے پاؤں تلے ہے اور اسکے سر پر بارہ ستاروں کا تاج ہے۔ بابی اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس سے مراد مذہب اسلام ہے اور شمس اور قمر سے مراد دو عظیم الشان اسلامی سلطنتیں ہیں یعنی ایران اور روم کیونکہ سورج فارس کا نشان ہے اور چاند (ہلال) ٹرکی یعنی سلطان روم کا نشان ہے اور بارہ ستاروں سے مراد بارہ امام لیے گئے ہیں جن کو فرقہ شیعہ تسلیم کرتا ہے۔ شاید اسی طرح اژدہا اور اس کے سروں اور سینگوں کی بھی کچھ تاویل کی جا سکتی تھی۔ لیکن ایسی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ پھر چھٹی آیت کے ۱۲۶۰ دنوں کو لیکر شمسی سالوں میں تبدیل کیا گیا ہے اور اس طرح وقت کو ۱۸۴۴ء عیسوی کے مطابق کیا گیا ہے۔ مگر ۱۲۶۰ قمری سالوں کا ابتدا اس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے سال کو قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلی پیشگوئی میں جب ۱۲۹۰ سالوں کا شمار کیا گیا تھا تو ابتدا آنحضرت صلعم کے دعویٰ سے لیگئی تھی۔ چونکہ غرض صرف پیشگوئیوں کو ان دعاوی پر چسپاں کرنا ہے اس لیے جس طرح جہاں چسپاں ہوسکے اسی طرح کر لی جاتی ہے اور کسی قاعدہ کی پابندی ضروری خیال نہیں کی جاتی۔ اسی طرح چودھویں آیت میں "ایک وقت۔ اوقات اور آدھا وقت"

سے بھی مراد چھٹی آیت کے ۱۲۶۰ سال لیے گئے ہیں وہی عبارت دانیال کے بارھویں باب کی ساتویں آیت میں ہے۔ ان الفاظ کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ ہر ایک انیس سال کے بعد چاند اپنا ایک دَور پورا کرتا ہے۔ انیس سال کا مربع ۳۶۱ ہوتا ہے لیکن ہر ایک قرن چونکہ ۱۹ سال سے کچھ کم کا ہوتا ہے اس لیے ایک سال الگ کر دیا گیا ہے اور اس طرح تین سو ساٹھ ۳۶۰ سال کا قرن بنجاتا ہے۔ بائبل کی زبان میں اسے "ایک وقت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور "اوقات" سے مراد دو ایسے وقت یعنی ۷۲۰ سال ہیں۔ اور نصف وقت برابر ہے ایک سو اسّی ۱۸۰ سال کے۔ اس طرح ہر سہ کو جمع کرنیسے ۱۲۶۰ سال ہوتے ہیں۔ یہ ۱۲۶۰ سال باب کے ظہور کا وقت بتانیکے لیے خیال کیے گئے ہیں۔ جو بہاء اللہ کا ایک پیش خیمہ تھا۔ اور ۱۲۹۰ دن یا سال مطابق دانیال باب ۱۲۔ آیت ۱۱ گویا خود بہاء اللہ کے ظہور کو بتاتے ہیں۔ اس شمار کے مطابق چاہیئے تھا کہ بہاء اللہ باب سے تیس سال بعد اپنا دعویٰ شایع کرتا۔ لیکن درحقیقت ہر دو کے درمیان صرف انیس سال کا فرق تھا۔ پس بابیوں کی یہ ساری محنت جو پیشگوئیوں کے سالوں کو باب اور بہاء اللہ کے دعاوی کے سالوں کے ساتھ منطبق کرنیکے لیے تھی رائگان گئی۔

بائبل کی پیشگوئیوں کی یہ تشریح جو بابی کرتے ہیں عیسائی صاحبان کی تشریح سے بہت ملتی جلتی ہے۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہاء اللہ کی بتائی ہوئی تشریحات نہیں بلکہ کسی اس کے مرید امریکن عیسائی کا کام ہے۔ یہ ایک واقعی امر ہے۔ کہ تمام عیسائی دنیا سمجھتی ہے کہ یسوع مسیح کی آمد ثانی کے تمام نشانات وقوع میں آچکے ہیں۔ اور اسکی آمد کا ٹھیک وقت شمار کرنیکے لیے بہت سی کوششیں کی گئی ہیں۔ ایک مترجم نے ۱۸۶۸ء کو اس کی آمد کا سال قرار دیا تھا۔ جب وہ تاریخ گذر گئی اور کوئی آنیوالا نہ آیا تو ایک کتاب میں جو کہ بائبل کی پیشگوئیوں کی تاویل کے متعلق تھی یہ ظاہر کیا گیا کہ پیشگوئیوں کے مطابق مسیح کی آمد ثانی ۱۸۷۳ء میں ہوگی پھر جب وہ وقت بھی گذر گیا تو ایک تیسری کتاب میں جو چاند کے دَوروں کی بناء پر لکھی گئی تھی یہ اعلان کیا گیا کہ مسیح کی آمد ۱۸۹۸ء سے پیچھے نہیں پڑیگی۔ ضرور اس سال واقع ہو جاویگی۔

اور یہ ہرگز نہ ہوگا کہ ۱۸۹۵ء گذر جاوے اور آنیوالا مسیح نہ آوے۔ یہ انہی مصنفوں کی محنتوں کا ثمرہ ہے جس کو اب ایک بابی امریکن مصنفہ اپنی محنت کے نتایج ظاہر کرکے بہاراللہ پر چسپاں کر رہی ہے اور ان دلایل کو بہاراللہ کے مشن کی صداقت کا ثبوت قرار دیتی ہے۔ انہی تشریحات میں جو عیسائی مصنفین کر چکے تھے تھوڑے تھوڑے تغیر جو انکو بہاراللہ کے دعاوی پر چسپاں کرنے کے لیے ضروری سمجھے کرکے اب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ بہاراللہ کے دعاوی کا ثبوت ہیں مگر سوال ابھی تک ویسے کا ویسا ہے آیا بہاراللہ نے خود بھی اپنی صداقت کا کوئی ثبوت دیا ہے یا نہیں؟ افسوس سے ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ ایسا کوئی ثبوت نہیں دیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بعض موقعوں پر دعوی کرتا ہے کہ میں نشانوں کے ساتھ بھیجا گیا ہوں اور ایک جگہ پر کہتا ہے۔ کہ وہ خدا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ سینا پر ہمکلام ہوا تھا مجھ پر بڑے بڑے نشانوں کے ساتھ ظاہر ہوا ہے جن کے مقابلہ میں وہ تمام جو آسمانوں اور زمین میں ہیں بالکل کمزور اور ہیچ ہیں۔ (کتاب الاقدس صفحہ ۱۰۱) لیکن وہ نشانات اسی قسم کے ہونگے جیسا کہ مذکورہ بالا دلایل اور ثبوت ہیں۔ کیونکہ ہمیں اس کی کتابوں سے اسکے کسی نشان کا پتہ نہیں ملتا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بار بار گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی طرح اپنے اعداء کیلیے انذار اور اپنے احباب کے لیے تبشیر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے اعداء ذلیل اور خوار ہونگے اور دربدر ہونگے اور میرے احباب خوش و خرم اور کامیاب ہونگے مگر یہ تمام کہنے کی باتیں تھیں جو کبھی پوری نہیں ہوئیں اور انکا پورا نہ ہونا ہی مذہب بابی کے بطلان کیلیے کافی ہے۔ یہ سچ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اعداء کیلیے کہا اور اپنے دوستوں کے لیے بشارتیں دی ہیں مگر ایسی اخبار آپ کی حیات میں ہی کامل طور سے وقوع میں آچکی ہیں ایسی کہ دنیا کو گنجایش نہیں کہ انکا انکار کر سکے۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے آپ کے تمام دشمن جو جزیرۂ عرب میں تھے ہلاک کر دیے گئے بلکہ تمام جزیرہ توحید کے ڈنکے سے گونج اٹھا یہانتک کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا کہ ایس الشیطان ان یعبد فی العرب۔ مگر باب اور بہاراللہ

کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں اور پوری نہیں ہوئیں۔ اس سوال پر کہ نبی کا کیا مشن ہوتا ہے غور کرنیسے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ ہر ایک نبی کی رسالت کی غرض مختصر طور سے اس طرح پر بیان کیجا سکتی ہے۔ کہ اس کا یہ دعویٰ ہوتا ہے۔ کہ وہ ایک ایسے راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جسپر چلنے والے ابدی خوشی حاصل کر سکیں گے۔ اور جس سے مُنہ موڑنیوالے ہمیشہ کیلیے نجات سے محروم رہ جائیں گے اور اپنے لیے دُکھ کی زندگی کو خرید لیں گے۔ اب یہ دعاوی ایسے ہیں جن میں کاذب بھی صادقوں کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا طالب حق کو پہلے بڑی ضرورت یہ محسوس ہوتی ہے کہ کوئی صاف معیار ہونا چاہیئے جس سے صادق مدعی کاذب سے بالکل ممتاز ہو جاویں۔ قرآن شریف اس امتیاز کیلیے یہ معیار قرار دیتا ہے۔ کہ خدا کے صادق بندے جو اس کے فرستادہ پر ایمان لا کر اس کی اتباع کامل طور پر بجا لاتے ہیں وہ انکو وعدہ دیتا ہے کہ وہ اسی دنیا کی زندگی میں اپنے اعدا پر کامیاب ہو جائیں گے اور انکو رد کرنیوالے اور مخالف انکے سامنے ذلیل و خوار ہو جائیں گے اور یہ تبشیر اور انذار کے وعدے قبل از وقت کیے جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں کہ کسی عاقل کی عقل فتویٰ نہیں لگا سکتی کہ یہ کبھی پورے بھی ہو جائیں گے کیونکہ اسوقت وہ بے بس اور بیکس ہوتے ہیں۔ نہ انکے پاس لشکر ہوتا ہے نہ دولت۔ وہ خود نہیں بولتے۔ بلکہ وہ بولتا ہے جسکے قبضۂ قدرت میں تمام اشیا ہیں۔ اور چونکہ خدا اپنے وعدوں میں بڑا سچا ہے اس لیے اسکی کہی ہوئی باتیں پوری ہو کر ہی رہتی ہیں کوئی نہیں کہ انکو ٹلا سکے۔ اور اس طرح پر وہ دونوں جماعتوں کے لیے یعنی احباب اور اعدا کیلیے ایک عظیم الشان معجزہ بنجاتی ہیں ایسا معجزہ کہ اسکا ثانی بمشکل دنیا میں نظر آسکتا ہے۔ اور یہ خدا کی باتیں جو وہ اپنے بندوں پر نازل کرتا ہے انکی زندگی میں ضرور پوری ہو جاتی ہیں اور اپنا ثمرہ اس جہان میں ہی دکھا دیتی ہیں دشمن ہلاک کر دیئے جاتے ہیں اور دوست کامیاب ہوتے ہیں۔ یہ ہے معیار جس سے صادق نبی کاذب مدعی سے ممتاز کیا جاتا ہے دونوں اپنے دوستوں کو تبشیر کرتے اور اعدا کو

ہلاکت کے وعید سناتے ہیں مگر باتیں پوری اسی کی ہوتی ہیں جس سے خدا ہمکلام ہوتا ہے۔ اور اسطرح پر خدا اپنے فعل سے اسکو سچا قرار دیتا ہے۔ وکفی باللہ شھیدًا۔ اور وہ جو اپنی ہی طرف سے کہتا ہے اور اپنے مُنہ کی باتیں خدا کی طرف منسوب کرتا ہے ناکام اور خائب و خاسر رہتا ہے اور اسکی باتیں بالکل پوری نہیں ہوتیں۔ اور اسطرح پر خدا کی فعلی شہادت اسکے کاذب ہونے پر مُہر لگا دیتی ہے۔

اگر بہاء اللہ کو اس معیار اور کسوٹی پر پرکھا جاوے تو عین معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے دعویٰ میں صادق نہ تھا۔ وہ اپنے مذہب کو صادقوں کے لیے برکت اور بدی کرنیوالوں کے لیے ہلاکت اور بربادی۔ اور ماننے والوں کے لیے رحم اور مخالفین کے لیے لعنت اور عذاب قرار دیتا ہے۔ بار بار اسنے اپنے مخالفین کے لیے بددعائیں کی ہیں اور اپنے دوستوں کے لیے برکات مانگی ہیں مگر اس کی تمام دعائیں وما دعاء الکافرین الا فی ضلال کا مصداق ہوئیں۔ اور کوئی نتیجہ انسے پیدا نہیں ہوا۔ اس نے اپنے مخالفین پر بیشمار لعنتیں کی ہیں مگر اسکی لعنتوں نے اسکے مخالفین پر ذرا بھر بھی اثر نہیں دکھایا اور اسطرح سے دنیا پر ظاہر کر دیا ہے کہ جو وہ بولا تھا وہ خدا کی طرف سے نہ تھا بلکہ خود ہی اسکا اپنا کلام تھا۔ جو اس نے اپنے ہی منہ سے نکالا تھا وہ کتاب الاقدس اور اپنی دوسری کتابوں میں دوستونکو بار بار یقین دلاتا ہے کہ اس کے اعدار جلدی ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔ وہ کہتا ہے کہ "خوب یاد رکھو کہ میرے دشمن ذلیل کیے جاویں گے مبارک ہیں وہ جو مجھے قبول کرتے ہیں۔ اور وَے ہے ہر ایک منکر کے لیے۔ ہلاکت ہے انکے لیے جنہوں نے مجھے ترک کیا ہے۔ ہلاکت ہے انکے لیے جو مُنہ پھیرتے ہیں۔ خدا انپر لعنت کرے خدا انسے جنگ کرے۔ ہلاکت ہے انکے لیے جو ان ایام اور انکے ثمرات سے غافل ہیں۔ وہ بہت جلدی چلائیں گے اور اپنے کیے پر افسوس کرینگے۔ اور انہیں کوئی ایسی روح نہ ملے گی جو انہیں تسلّی دے سکے خوشی صادقونکا حصّہ ہے جو صداقت کے ساتھ فاتح بنے ہیں۔ خوشی انکا حصّہ ہے جو عالم ہیں کیونکہ انہوں نے

سچائی کا راہ معلوم کر لیا ہے۔ خوشی انکا حصہ ہے جنہوں نے خورسندگی کو حاصل کر لیا ہے۔ مبارک ہیں وہ عورتیں جو عقیم اور بانجھ ہیں (کیونکہ وہ ایسی اولاد نہیں جنیں گی جو بہار اللہ سے منکر ہو)۔ اور ویل ہے ان عورتوں کے لیے جو بچوں کو دودھ پلاتی ہیں۔ (کیونکہ انکے بچے بوجہ نہ ماننے بہار اللہ کے ہلاکت اور بُرے دنوں کو دیکھیں گے)۔"

قرآنی الفاظ کی عجیب تاویلیں جو اس کے مریدوں کے نزدیک بہار اللہ کی صداقت کو ثابت کرتی ہیں اسکے دعاوی پر غور کرتے ہوئے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ صرف انہی رکیک تاویلوں پر بابی مذہب کا انحصار ہے۔ البتہ ایک امر قابل ذکر ہے۔ بابی مذہب کی سچائی کی بڑی حجت یہ خیال کی گئی ہے کہ اس کے پیرووں نے اپنے سخت معاند دشمنوں کے مقابلہ میں بڑا استقلال اور استقامت دکھلائی ہے۔ لیکن کسی عقیدہ کی پیروی میں خالی دُکھ اُٹھانا اس عقیدہ کی صداقت پر قطعی شہادت نہیں ہو سکتی۔ قوم یہود کو دیکھو۔ کہ انہوں نے عیسائیوں کے ظلموں کے مقابلہ میں اپنے مذہب پر قایم رہنے میں کیسے صبر اور استقامت سے کام لیا ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قوم یہود کے مذہبی معتقدات سچے ہیں اور تمام دنیا کو وہ قبول کر لینے چاہیئے۔ رومن کیتھولک نے پروٹسٹنٹ فرقہ کو ایسے ایسے عذاب میں ڈالا تھا اور انکو جلا دیا تھا اور ایسا ہی رومن کیتھولک اپنی باری میں پروٹسٹنٹوں کے ہاتھ سے سخت ستائے گئے تھے پس یہ واقعات صاف طور سے ثابت کر رہے ہیں کہ کسی مذہب پر کسی کا جمے رہنا اس مذہب کی کلیہ صداقت کی دلیل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ہونی چاہیئے۔ استقامت بیشک اصول کی سچائی کی دلیل بن سکتی ہے۔ لیکن یہ صرف خاص حالات کے ماتحت ہو سکتا ہے بابیوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ وہ صرف مُعَاقَب ہی نہ تھے بلکہ معاقب بھی تھے ان ہی پر صرف ظلم نہیں کیا جاتا تھا بلکہ وہ خود بھی اپنے مخالفوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔ بابی اس خیال سے لوگوں سے لڑائی کیا کرتے تھے۔ کہ باب چونکہ مہدی معہود ہے اور امام منتظر ہے اس لیے وہ جلد ہی اپنے

دشمنوں کو مغلوب کرلیں گے اور ممالک کے فاتح بن جائیں گے لیکن وہ خود مغلوب ہو گئے اور انکو اپنی کرتوتوں کے بدنتایج بھگتنے پڑے۔ اسلیے بابی خود ان ظلموں کے جو اُن پر کیے گئے جواب دہ ہیں اور قابل ملامت ہیں۔ جب ایکدفعہ انکے باغیانہ ارادے فاش ہو گئے تو بغاوت کا شک جو انکی نسبت گورنمنٹ کو پڑ گیا تھا بمشکل دُور ہو سکتا تھا اور انکی طرف سے بہت کچھ سعیوں اور کوششوں کی ضرورت تھی جن کے ذریعہ سے وہ اپنے حاکموں کو یقین دلاویں کہ وہ سلطنت کے مخالف کوئی بدارادے نہیں رکھتے تھے۔ انکی عقوبات اور تکلیفات کا باعث اسقدر مذہبی مخالفت نہ تھی جسقدر ملکی مصلحت تھی۔ اور اسی وجہ سے یہ تکالیف اور ایذائیں بابی مذہب کے اصول کی صداقت کا ثبوت نہیں بن سکتیں۔

بہار اللہ کے مشن کے دلایل پر بحث کرتے ہوئے ہمیں بحر العرفان کو نظر انداز نہیں کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ وہ ایک بہت ہی ضروری بابی مذہب کی کتاب ہے۔ جس میں باب اور بہار اللہ کے دعاوی کے دلایل بیان کیے گئے ہیں۔ باب کے دعاوی کے ثبوت میں جو کچھ بحر العرفان میں لکھا گیا ہے ہم اسپر پہلے ہی غور کر آئے ہیں اس لیے ہم اب بہار اللہ کے دعاوی پر جو دلایل پیش کیے گئے ہیں انپر غور کریں گے۔ سب سے پہلے یہ عجیب بات ہے کہ بائبل کا بکثرت حوالہ دیا گیا ہے اور اس سے بہار اللہ کی آمد کی پیشگوئیاں نکالی گئی ہیں۔ ان میں سے چند ایک ہم ناظرین کے لیے نقل کرتے ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ پڑھنے والا انکو پڑھکر اس بات کا خواہشمند نہ ہوگا کہ وہ باقی حوالوں کو ملاحظہ کرے کیونکہ وہ محولہ حوالوں سے بیہودگی میں بڑھے ہوئے ہیں۔ پہلا حوالہ حبقوق نبی کی کتاب کا دیا گیا ہے۔ ”خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا سلاہ اسکی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوئی“ دانیال باب دوم آیت دوم میں بھی بہار اللہ کی آمد کی پیشگوئی قرار دی گئی ہے ”اگر آخری ایام میں ایسا واقع ہوگا کہ خداوند کے گھر کا پہاڑ پہاڑوں کی چوٹی پر مستحکم ہو جاویگا اور تمام پہاڑیوں پر فخر کریگا اور تمام

اقوام اس کی طرف رُخ کریں گی"۔

ایسا ہی اور بہت سے حوالے اسی قسم کے دیئے گئے ہیں ہمارے خیال میں ہے کہ ان پیشگوئیوں کو بہاء اللہ پر چسپاں کرنا کسی عیسائی ہی کا کام ہے کیونکہ وہ بائبل کی عبارات کو مسیح پر لگانے میں اسی طریق سے کام لیا کرتے ہیں عہد نامہ جدید میں صرف ایک ہی ایسی پیشگوئی ہے جو بہاء اللہ پر لگائی گئی ہے اور وہ مکاشفات باب ۲۲۔ آیت ۱۲ و ۱۳ میں ہے اور اس کے یہ الفاظ ہیں "اور دیکھ میں جلد آتا ہوں اور میرا اجر میرے ساتھ ہے تاکہ ہر ایک کو اسکے کام کے موافق بدلا دوں۔ میں الف اور ایا ہوں گا۔ ابتدا اور انتہا اول و آخر ہوں"

اسلامی مذہبی کتب کی بھی بہت سی عبارتیں بہاء اللہ پر چسپاں کی گئی ہیں۔ اور بہاء اللہ اور اس کے مریدوں نے ایسے طرز سے انکا ترجمہ کیا ہے کہ وہ طرز اختیار کرنے سے ہر ایک چیز بہاء اللہ کی آمد کی پیشگوئی بنجاتی ہے۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ قرآن شریف کی تمام آیات جو قیامت سے متعلق ہیں وہ بابیوں کے نزدیک تمام کی تمام یا تو بہاء اللہ کی آمد کے متعلق ہیں یا باب کے آنیکو ظاہر کرتی ہیں۔ خود رب کے لفظ سے مراد بعض وقت بہاء اللہ لیا گیا ہے اور بعض وقت باب۔ ان تمام حوالوں کے علاوہ سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کو بہاء اللہ کی آمد کی صاف پیشگوئی قرار دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ پاک ذات ہے وہ اللہ جو اپنے بندہ کو بوقت شب مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ کی طرف لے گیا جس کے آس پاس کو ہم نے برکت سے معمور کیا ہے تاکہ ہم اسکو اپنے بڑے بڑے نشان دکھلا دیں۔ ناظرین تعجب سے سوال کریں گے کہ اس آیت کو بہاء اللہ کی آمد کی پیشگوئی سے کیا تعلق۔ بابی مصنف اس کا ترجمہ یوں کرتا ہے۔ آیت میں مسجد الاقصیٰ کا ذکر ہے جس سے مراد عکا یا بیت المقدس ہے۔ اور اس آیت میں یہ بھی ذکر ہے کہ بیت المقدس کے قرب و جوار بھی مبارک ہیں۔ مؤلف بحر العرفان کے

نزدیک مسجد الاقصیٰ کی گرد و نواح مراد نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد یروشلم کے شہر کا قرب وجوار ہے جس میں بیت المقدس ہے اور تب ایک عجیب طور سے عکّا کو جہاں بہاء اللہ قید کیا گیا تھا۔ ماحولہٗ کا مصداق ٹھہرایا گیا ہے اور اطرح سے بہاء اللہ کی آمد کی پیشگوئی بنائی گئی ہے۔ اس عجیب تاویل کی تائید میں بعض احادیث بیان کی گئی ہیں جن میں عکّا کی فضیلت کا ذکر ہے۔ ان احادیث کی کوئی سند بیان نہیں کی گئی۔ اور اس لیے ہم انکی صحت پر بحث کرنیکے قابل نہیں ہیں۔ لیکن اتفاقاً کسی حدیث میں عکّا کی تعریف کا پایا جانا بابی مصنف کے واہیات دعاوی کی تصدیق نہیں سمجھی جا سکتی۔ عکّا ایک بڑا قدیمی اور مشہور شہر ہے اور اس کا ذکر بائبل میں بھی آیا ہے۔ جنگہائے صلیبی میں عکّا جنگ کا بڑا مرکز تھا۔ جس کے فتح ہونے پر مسلمانوں نے عیسائیوں کو فلسطین سے نکال دیا تھا۔ اگر کسی صحیح حدیث میں عکّا کا ذکر بھی ہے تو وہ ان واقعات کی خاطر ہے جنہوں نے اسلامی تاریخ میں ایک بڑا بھاری اور ضروری کام کیا ہے۔

قرب قیامت کے علامات جو قرآن شریف میں مذکور ہوئے ہیں وہ تمام پورے ہو چکے ہیں مگر ان تمام علامتوں کی تشریحات ایک ہی طرز پر نہیں کی گئی ہیں۔ قرب ساعۃ کی پہلی علامت دابۃ الارض کا خروج ہے۔ اور مصنف بحر العرفان کہتا ہے کہ علی خلیفہ چہارم کی بابت یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے تئیں دابۃ الارض کہا ہے۔ خروج یاجوج وماجوج کی کوئی تشریح نہیں کی گئی۔ لیکن یہ کہا گیا ہے کہ اس کے کوئی مخفی معنے ہیں۔ ایک ستاروں کے ٹوٹنے کا نشان ہے جو کہا جاتا ہے کہ وہ ۱۲۸۳ھ ہجری میں واقع ہو چکا ہے۔ کیونکہ اس سال کے ماہ رجب میں ایک لاکھ سے زیادہ شہاب قریباً ایک گھنٹہ کے عرصہ میں گرتے دیکھے گئے تھے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ژند کے معتقد اس واقعہ کو بہرام کی پیدائش کی علامت قرار دیتے ہیں۔ بعد ازاں یوم القیامۃ سے پہلے زمین کو ایک سخت زلزلہ آنیکی پیشگوئی کو لیا گیا ہے۔ اس کی تاویل یوں کی گئی ہے کہ ارض یعنی

زمین سے مراد قلوب یعنی انسانوں کے دلوں کی زمین ہے جو بہاء اللہ کے آنے سے ہل گئی۔ اور اسطرح پیشگوئی پوری ہوگئی۔ طی السجل سے مراد اسوقت کی آسمانی شریعت یعنی اسلامی شریعت کا منسوخ ہونا بیان کیا گیا ہے۔ نفخ صور سے مراد روحانی مُردوں میں روحانی زندگی کا پھونکنا لیا گیا ہے۔ تسییر الجبال سے یہ مراد ہے کہ بہاء اللہ مذہبی علماء اور ملاؤں کو شکست دیکر منتشر اور تتر بتر کر دیگا۔

اگر ان تمام تاویلوں کو صحیح ہی تسلیم کر لیا جاوے تو انسے اس سے زیادہ ثابت کچھ نہیں ہوتا کہ ایک موعود فرستادہ کی آمد کے تمام نشانات جو آخری زمانہ میں آنیوالا ہے پورے ہوچکے ہیں اور اس لیے یہ زمانہ اُس موعود کے ظہور کا وقت ہے۔ مگر وہ نشانات باب یا بہاء اللہ کو وہ موعود قرار نہیں دیتے۔ باب یا بہاء اللہ کے دعاوی ثابت کرنیکے لیے یہ چاہیئے تھا کہ انکے اپنے نشان دکھلائے جاتے۔ مگر ایسا ثبوت بابی مذہب میں بالکل مفقود ہے اس لیے ایک سچائی کے طالب کو مجبورًا انکے دعاوی رد کرنے پڑتے ہیں۔ بہاء اللہ کا صرف ایک نشان جس کا بعض انگریزی بابی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس کی بددعا سے بعض بادشاہ ہلاک اور برباد ہو گئے تھے۔ جنکو بہاء اللہ نے مکتوب یا الواح نیبھیجے تھے جن میں انکو اپنی آمد کی خبر دی تھی اس اعلان کے ساتھ کہ "اپنی ابدی محبت کی خاطر جو اسکو اپنی مخلوق کے ساتھ ہے اس نے اپنے قدموں کو عالم غیب سے عالم شہادہ کی طرف موڑا ہے۔ اور اپنے جلال کو اس نے اپنے خاکی جسم میں پوشیدہ کیا ہے" بہاء اللہ کی اس شاہی مخلوق میں سے (یہ خطاب ان بادشاہوں کو دیا گیا ہے جن کے نام خطوط بھیجے گئے تھے) بعض نے کہتے ہیں کہ اسکے پیغام کو عزت سے قبول کیا اور وے بچائے گئے۔ لیکن اوروں نے اسکو تحقیر کی نظر سے دیکھا اور ہلاکت کے گڑھے میں ڈالے گئے۔

اب ہمیں کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں یہ دعاوی بہاء اللہ کے مشن کی صداقت کا ثبوت بننے سے اتنے ہی دُور ہیں جتنی کہ قرآن شریف اور بائبل کے الفاظ کی عجیب تاویلیں جو اوپر بیان

آریہ سماج اور مذہبی کانفرنس

ایک مختصر سا نوٹ کسی گذشتہ اشاعت میں آریہ سماج کی اس بدزبانی کی نسبت لکھا تھا جو مذہبی کانفرنس کے موقع پر آریہ سماج کے لیکچرار کی طرف سے وقوع میں آئی تھی۔ اسپر آریہ پرتی مذہبی سبھا کا معتمد علیہ اخبار آریہ پتر کا اعتراض کرتا ہے کہ ہم نے جو لکھا ہے کہ مذہبی کانفرنس پر آریہ لیکچرار نے انبیاء اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت گندہ دہانی کی ہے اور خدا کے مقدس لوگوں کے متعلق بہت بدزبانی سے کام لیا ہے۔ ان ریمارکس میں ہم نے انصاف سے کام نہیں لیا ہے۔ وہ یکم فروری کی اشاعت میں لکھتا ہے۔ "ہمارے ہمعصر کی طرف سے اپنے قول کو استحکام دینے کیلیے کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی ہے اگر وہ مضمون جو ڈاکٹر چرنجیو ابھراڈواجہ۔ ایف۔ آر۔ سی۔ ایس نے مذہبی جلسہ میں پڑھا تھا۔ گندی ریمارکس سے پُر تھا یا اس میں گندے ریمارکس سے کام لیا گیا تھا تو کیوں وہ حوالۃً پیش نہیں کیے گئے تاکہ گورنمنٹ اسکی سقم وصحت کو دیکھ لیتی۔ وہ مضمون خود ایک کتاب کی شکل میں شایع کیا جاویگا۔ تب پبلک کو مضمون کے جانچنے کا کافی موقعہ ملجاویگا۔ کہ کہانتک آریہ سماج کے برخلاف لوگوں کی شکایتیں صحیح ٹھہر سکتی ہیں۔" اگر وہ مضمون ایک بڑے بھاری مجمع میں پڑھا نہ جاتا جو کہ مختلف مذاہب اور جماعتوں پر مشتمل تھا تو یہ عذر پیش کیا جاسکتا تھا کہ مضمون تو ابھی تک شایع نہیں ہوا اور اس کے متعلق رائے زنی کرنا کہ وہ بہت سخت تھا قبل از وقت ہے۔ لیکن اس ایسے مضمون کے متعلق جو عام پبلک میں سنایا گیا ہے یہ عذر قابل سماعت نہیں ہے اور یہ بالکل بیہودہ بات ہے کہ انکو جنکے مقدس ائمہ کو انکے سامنے گالیاں دیجاویں یہ کہا جاوے کہ وہ اپنے دُکھ اور رنج کا اظہار نہ کریں جب تک کہ وہ مضمون کتاب کی شکل میں شایع نہ ہوجاوے۔ پبلک کو اس بات کا کونسا اطمینان دلایا گیا ہے کہ آریہ پرتی مذہبی سبھا

اسی اصلی مضمون کو شایع کریگی جیسا کہ وہ گذشتہ دسمبر کی چار کی شام کو پڑھا گیا تھا اور وہ اس میں قطع و برید سے کام نہیں لیگی اور اس تجربہ سے فایدہ نہیں اُٹھائے گی جو انہی چند دنوں میں اس مضمون کے متعلق اسکو حاصل ہو چکا ہے۔ علاوہ ازیں یہ ایک موٹی اور بہت قرین قیاس بات ہے۔ کہ اصل مضمون کے الزامات کو نرم الفاظ میں بیان کیا جاوے کیونکہ اب وہ کتاب کی شکل میں شایع ہونیوالا ہے۔ لیکن اگر اسکا دیانتداری سے اعتراف کر لیا جاوے تو ہمارے نزدیک یہ بات قابل الزام نہیں کہ کیوں پہلی سختی کو چھوڑ کر ایک نرم پیرایہ اختیار کیا گیا۔ ہاں اگر اصلیت پر پردہ ڈالنے اور اسطرح پر پبلک کو دھوکہ دینے کی غرض سے یہ کارروائی آریہ سماج نے کی تو اسطرح سماج دوہرا دُکھ دینے کے الزام کی مرتکب ہوگی۔ خود آریہ سماج کا پریزیڈنٹ بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہ جوش جو عام طور پر آریہ سماج کے مضمون کے خلاف پیدا ہوا ہے بناوٹی طور پر نہیں پھیلا تھا بلکہ مضمون کا فوری اور قدرتی اثر تھا کیونکہ لیکچر ہال چھوڑنے کے بعد فوراً اس نے اس جوش کے آثار نمایاں دیکھے اور بطور دفع وقتی کے یہ کہکر کہ مجھے اس مضمون کی اصلیت سے اطلاع نہیں تھی اس بات کو ٹالنا چاہا تھا۔ علاوہ ازیں یہ جوش صرف احمدیوں تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ دوسرے مسلمانوں اور عیسائیوں نے بھی اس مضمون کے خلاف اخباروں میں تحریریں شایع کیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آریوں کی اس روش سے صرف ایک فرقہ کو نہیں بلکہ ساری پبلک کو رنج پہنچا ہے۔

چونکہ آریہ پتر کا اس بات کا انکار کرتا ہے کہ آریہ لیکچرار نے کوئی بیج وہ الفاظ اپنے مضمون میں استعمال کیے ہوں اس لیے میں دو خاص مثالیں بطور حوالہ یہاں پر پیش کرتا ہوں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے حضرت مسیح کی پیدائش پر ایک سخت ناگوار حملہ کیا جس کو خواہ کسی طرح پیچ کر پیش کیا گیا ہو۔ مگر صاف طور پر یہ بتایا گیا تھا کہ نعوذ باللہ گویا ان کی ولادت ناجائز طور سے ہوئی تھی۔ اس اعتراض کرنے میں اس نے آریہ سماج کے بانی کی

اتباع کی ہے۔ اگرچہ وہ الفاظ جو اس نے استعمال کیے تھے لفظ بلفظ ستیارتھ پرکاش سے نقل نہ کیے گئے ہوں مگر تاہم اس کا بیان اس عبارت سے بہت ملتا جلتا تھا اور مضمون دونوں کا واحد تھا۔ ستیارتھ پرکاش میں متی باب اول آیت ۱۸ سے ۲۰ پر سوامی دیانند بانی آریہ سماج نے یوں حاشیہ چڑھایا ہے (اور یہ وہ الفاظ ہیں جن سے آریہ لیکچرار ناواقف نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ خود اس نے اس کتاب ستیارتھ پرکاش کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے) ”کوئی تعلیم یافتہ آدمی کبھی بھی ایسی باتوں پر یقین نہیں کرسکتا جو کہ شہادت کی تمام اقسام اور قوانین قدرت کے برخلاف ہوں۔ صرف وحشیانہ حالت کے لوگ ایسی باتوں پر اعتقاد کرسکتے ہیں کیا دنیا میں کوئی ایسا متنفس ہے جو خدا کے قوانین کو توڑ سکے .... اگر یسوع کی پیدائش کی کہانی سچی تصور کیجاوے۔ تو ہر ایک غیر منکوحہ لڑکی جو حاملہ ہو جاوے کہہ سکتی ہے کہ وہ روح القدس سے حاملہ ہوئی ہے وہ یہ بھی جھوٹ بول سکتی ہے کہ خداوند کے فرشتہ نے اس کو خواب میں بتلایا ہے۔ کہ جو اس کے رحم میں ہے سو روح القدس سے ہے ..... صرف ایسے لوگ جو عقل نہیں رکھتے اور صرف روپیہ رکھتے ہیں ان باتوں پر اعتقاد کرسکتے ہیں اور آسانی سے توہم پرست بن سکتے ہیں۔ یہ اس طرح سے وقوع میں آیا ہوگا۔ کہ (نعوذ باللہ) مریم کسی سے ہمبستر ہوئی ہوگی اور اس طرح سے حاملہ ہوئی ہوگی۔“

اب جائے غور ہے کہ ایک صدیقہ کو آریہ سماج نے کیسی تہمت لگائی ہے حالانکہ قریباً نصف دنیا اسکو صدیقہ اور راستباز یقین کرتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ اوروں نے بھی اس بات سے انکار کیا ہے کہ مریم روح القدس سے حاملہ ہوئی۔ لیکن آریہ سماج کے حامی طرز بیان ایسا ناپاک اختیار کرتے ہیں جس سے ناحق کا دُکھ دینا مقصود ہوتا ہے۔ اگر صرف ولادت مسیح پر اعتراض کرنا ضروری تھا تو یہ اعتراض ایسے پیرایہ میں کیا جاسکتا تھا کہ بغیر کسی فرد بشر کا دل دُکھانیکے عیسائیوں اور اسلام کے کسی خاص عقیدہ پر

بڑے زور سے حملہ کیا جاسکتا تھا۔ لیکن یہ کہنا کہ "مریم کسی سے ہمبستر ہوئی ہوگی" یا یہ "کہ کوئی غیر منکوحہ لڑکی جو اتفاق سے حاملہ ہو جاوے کہہ سکتی ہے کہ وہ روح القدس سے حاملہ ہے"! گویا یہ مریم پر بالفاظ دیگر زنا کی تہمت لگانا ہے۔ یہ سچ ہے کہ دہریہ لوگ ایسے الفاظ حضرت مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کے متعلق استعمال کرتے ہیں لیکن کیا یہ وطیرہ اختیار کرنا ایک مذہبی پیشوا کو مناسب ہے؟

آریہ لیکچرار کی درشت کلامی کی دوسری مثال وہ الفاظ ہیں جو اس نے سید ولد آدم اور تمام راستبازوں کے سردار (فداہ ابی و امی) محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق استعمال کرنے چاہے تھے۔ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت بیان کرنے لگا اور آپ کے اخلاق حمیدہ کو بُرے پیرایہ میں لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے لگا تو اس نے حاضرین کو یہ بتلایا کہ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اس حصۂ مضمون کو ایک چھپے ہوئے اخبار سے پڑھے مگر وہ غفلت سے اسے گھر بھول آیا ہے اور اس نے حاضرین کو یہ پتہ دیا کہ وہ ایک مضمون بعنوان "اسلام اور پالیٹکس" جو اکتوبر ۱۹۰۷ء کے آریہ مسافر میں شایع ہوا ہے پڑھ لیں۔ اور اس نے یہ کہا کہ اس کا یہ ارادہ تھا کہ وہ اس مضمون میں سے خاص عبارتیں انتخاب کر کے جو بانی اسلام کے اخلاق کا خاکہ کھینچیں پڑھیگا مگر وہ اتفاق سے اسے گھر بھول آیا ہے یہ اس کی بہت خوش قسمتی تھی کہ وہ اس مضمون کو گھر پر چھوڑ آیا تھا۔ ورنہ خوف تھا کہ وہاں فساد ہو جاتا۔ اب آریہ مسافر کا یہ نمبر ہمارے ہاتھوں میں اُس بدزبانی کی بابت جو ۲ دسمبر ۱۹۰۷ء کی شام کو آریہ لیکچرار نے استعمال کی تھی ایک ایسا پکا ثبوت ہے جس کا بدلنا آریہ سماج کی طاقت سے باہر ہے۔ اب جس طرح آریہ چاہیں بھار دواج کے مضمون میں تغیر و تبدل کر لیں لیکن "آریہ مسافر" اُس بدزبانی کی قطعی اور محکم شہادت قایم رکھے گا۔ جو آریہ سماج نے تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق کی۔ محولہ بالا مضمون صرف یہی نہیں ظاہر کرتا کہ لیکچرار نے صرف آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کیسے ناپاک الفاظ استعمال کیے۔ بلکہ یہ مضمون اس کے اس وطیرہ پر بھی روشنی ڈالتا ہے جو اس نے اور انبیاء اللہ علیہم السلام کے برخلاف اختیار کیا تھا اور ہم بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ اس نے اور انبیاء علیہم السلام کی بابت کیا کہا ہوگا جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے مسلمانوں کے مُنہ پر بانئ اسلام کو گندی سے گندی گالی دینے میں ذرہ بھی تامل نہیں کیا۔

اب ہم "اسلام اور پولیٹکس" کے حوالہ سے ثابت کرتے ہیں کہ مسٹر بھاردواج نے آریہ سماج کے عام واعظین اور مصنفوں سے بڑھکر کوئی اچھا نمونہ لاہور کی کانفرنس میں نہیں دکھایا۔ مضمون لکھنے والا سب سے پہلے یہ بیان کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد محض ملکی اقتدار حاصل کرنا تھا۔ اور کہ مذہبی اصلاحات محض اس مقصد کے حصول کا بہانہ تھیں۔ چنانچہ اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں "الغرض حضرت محمد صاحب نے اس اصول کو ذہن میں رکھ کر سب سے پہلے مذہبی اور مجلسی اصلاح کا کام کرنا چاہا مگر عرب کے اکھڑ وحشی اسوقت تک ان باتوں کو سُننے والے نہیں تھے۔ جب تک کہ کسی طرح انکے دل میں یہ یقین نہ کرا دیا جاتا کہ یہ جو کچھ ان سے کہا جاتا ہے وہ آسمان سے اُترا ہے اور منجانب اللہ ہے لہٰذا اس مطلب کے لیے ایک پہاڑ کے درہ (غار حرا) میں خاص الخاص دوستوں کے ساتھ مشورہ کرتے کرتے بالآخر یہ رائے قایم ہوئی۔ کہ نبوت کا اعلان کیا جاوے۔ سب سے پہلے انکی بیوی خدیجہ ایمان لائی پھر اور کچھ خاص لوگ مگر جیسا کہ قاعدہ ہے عرصہ تک کامیابی نہ ہوئی۔ اور تین سال تک آپ بڑے تذبذب اور کشمکش و پیچ کی حالت میں رہے۔ جب رفتہ رفتہ کچھ لوگ مرید ہو گئے تب علانیہ وعظ شروع کیا اور اسوقت بھی مکہ میں ایک سالانہ میلہ حج کا ہوا کرتا تھا۔ اس میں آپ کو اپنے اظہار خیالات کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ باوجود انواع و اقسام کے مصائب و تکالیف اور مخالف اسباب ہونیکے چودہ برس تک آپ نہایت استقلال سے مکہ میں خالص دینی اور مجلسی اصلاح کا

وعظ کرتے رہے جس سے بہت سے ہم خیال پیدا ہو گئے۔ منجملہ انکے مکہ میں تو سب سے زیادہ کارآمد اور قابل اطمینان مددگار آپ کے چاروں اصحاب تھے۔ جن سے آگے پیچھے ازدواجی تعلقات بھی قایم کرکے رشتہ اخوت کو محکم کرلیا گیا تھا۔ اور بیرونجات میں مدینہ کے کچھ مرید تھے۔ جو ہر طرح سے دامے درمے مدد کے لیے مستعد تھے۔ مگر یہ خوب یاد رہے کہ چونکہ آپ کے وعظ کا دستور از قسم شاستر ارتھ وغیرہ کے علمی طریقہ پر نہ تھا بلکہ بھیانک دردچک یعنی تخویف وتحریص والی خیالی امید وبیم پر مبنی تھا اس لیے اسوقت کوئی عالم فاضل آپ پر ایمان نہ لایا۔ بلکہ زیادہ تر عوام اور ان میں کچھ جنگجو لوگ معتقد ہوئے مثلاً علی۔ عمر اور حمزہ وغیرہ اور یہی لوگ بعد کو آپ کے پولیٹیکل کاز میں بہت کارآمد اور مفید ثابت ہوئے۔"

راقم مضمون نے اپنے اس مضمون میں بہت افترا پردازی سے کام لیا ہے۔ اس نے آنحضرت امام الصادقین کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) پہلے خود ملکی اقتدار حاصل کرنے کے لیے یہ منصوبہ گھڑا کہ آپ نبی ہیں اور جعلسازی سے نبوت کا دعوے کردیا اور اپنی سب کارروائی کو آسمانی قرار دیا تاکہ جاہلوں اور عرب اکھڑوں پر بہت اثر پڑسکے۔ اور یہ تمام کارروائی آپ اور آپ کے صحابہ کرامؓ میں مشورہ سے گھڑی گئی تھی اور پہلے ہی سے سوچکر ایسا افترا بنالیا گیا تھا۔ راقم مضمون نے یہ سب کچھ محض مسلمانوں کے دلوں کو دُکھانے کیلیے لکھا ہے۔ یہ مسلمانوں کی بڑی ہتک ہے اگر انکے سردار کو منصوبہ باز اور جعلساز اور مفتری قرار دیا جاوے۔ بھلا یہ تو تھا ہی کہ مسلمانوں کے پیشواؤں کو آریہ سماج اپنی اخباروں میں بہت گالیاں دیتی تھی اور دیتی ہے اور ہمیشہ انکے حق میں گندہ دہانی اور درشت زبانی سے کام لیتی رہتی ہے مگر یہ کتنی بے انصافی اور ظلم کی بات ہے کہ مذہبی جلسہ میں مسلمانوں کو خود درخواست دیکر بلوایا جاوے کہ کل ضرور آنا اور آریوں کا مضمون بھی سُننا اور پھر

بلا کسی وجہ کے انکے روبرو انکے مقدس لوگوں اور سرداروں کو گندی گالیاں دیجاویں اور انکے حق میں ایسے کلمات استعمال کیے جاویں جو ایک بھلا مانس آدمی کسی کے حق میں بھی سننا گوارا نہیں کر سکتا۔ اخبار یں پڑھ کر تو بھلا مسلمان صبر کر ہی لیتے ہیں مگر ایک مجمع میں جہاں بکثرت آدمی موجود ہوں ایسے کلمات انکے صبر کو بھی توڑ سکتے تھے اور اسطرح ممکن تھا کہ فساد ہو جاتا۔ اور خوش قسمتی سے بھارد واج اس گندہ مضمون کو گھر ہی بھول آیا تھا۔ بھول کیا آیا ہوگا عمداً اس کو نہیں پڑھ سکا کیونکہ اس نے حاضرین کو دیکھ لیا تھا کہ ان میں اب صبر کرنیکی سکت باقی نہیں ہے۔ پڑھنے والیکو اب معلوم ہو جائیگا کہ اسکا مضمون ایسے ہی گندے کلمات سے پُر تھا۔ ہندو صاحبان بھی بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ کیسی بے انصافی کا سلوک برتا گیا۔ گو یا انکو آریوں نے اپنے گھر پر بُلا کر انکے بزرگوں کو گالیاں دیں۔ اور انکے سامنے انبیاء اللہ علیہم الصلوٰۃ و السلام کی بیعزتی کی اور ناسزا باتیں انکے متعلق کہیں۔ اگرچہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ وہاں یہ مضمون نہیں پڑھا گیا تھا مگر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضمون کسقدر افترا پردازیوں سے پُر تھا اور کیسی گندہ زبانی سے اس میں کام لیا گیا تھا۔ لیکن "اسلام اور پولیٹکس" میں صرف اسی پر بس نہیں کی گئی ہے بلکہ جوں جوں راقم مضمون نویسی میں ترقی کرتا گیا ہے ایسا ہی وہ اسلام کے مقدسوں کو بُرا کہنے میں کمال کرتا گیا ہے۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کو ڈاکوؤں کا ایک گروہ قرار دیا ہے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سیواجی لیڈر کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اور اسطرح سے اسلامی مشن کو صرف لوٹنے تک محدود کیا ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ اسلام کا مشن صرف لوگوں کو لوٹنا تھا وبس۔ محولہ بالا عبارت کے بعد وہ یہ لکھتا ہے۔ "خیر جب اسقدر سامان ہو گیا۔ اور ادھر مکہ والوں کی مخالفت نے بھی خطرناک صورت اختیار کر لی تو آپ نے مع متعلقین اور مریدوں کے مکّہ سے نکلکر مدینہ میں نقل سکونت کر لیا۔ کچھ دن تو یہ لوگ انصار یعنی

مدینہ کے نومسلموں کے یہاں مہمان رہے۔ لیکن ان سب کے بار کے کب تک وہ بیچارے متحمل ہوسکتے تھے بالآخر بڑی تنگی ہوئی اور اس کے دفع کرنیکے لیے لوٹ اور غارتگری کو آسمانی حکم قرار دیا گیا۔ بس پھر کیا تھا ہر طرف سے جوق جوق مفلس اور آوارہ گرد جنگی عرب میں کمی نہیں تھی۔ آپکے جھنڈے کے تلے آنے شروع ہوئے۔ کیونکہ علاوہ اس دنیاوی فایدہ کے یہ بھی یقین دلایا جاتا تھا کہ مسلمان ہوتے ہی سارے پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور مرنے پر خواہشات نفسانی کے بھوگنے کے لیے مکمل سامان ملتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس جتھے کی جمعیت تاخت وتاراج وغیرہ سے مرغوب ہوکر محض دنیاوی اور پولیٹیکل فوایٔد کے لالچ سے یا جان کے خوف سے کسی طرح سے اکثر جنگجو لوگ اس میں شامل ہوتے گئے۔ اس کے سمجھنے کے لیے ہم اسوقت کے چند مشہور لوگوں کے مسلمان ہونیکی کیفیت بیان کرتے ہیں"

اس کے آگے راقم مضمون لکھتا ہے "المختصر ہم کہانتک طول دیں اس طرح سے رفتہ رفتہ ایک ایسی جمعیت کثیر فراہم ہوگئی جو ہر وقت مرنے مارنے کو تیار رہتی تھی اور حضرت کی ہمراہی میں یا کبھی انکے حکم سے علیحدہ بھی مدینہ کے قریب سے گذرنیوالی تجارتی قافلوں کا لوٹ مار سے وہ ناک میں دم کررکھا تھا کہ بڑے بڑے قبایٔل انسے کانپنے لگ گئے تھے کیونکہ ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہونیکے سبب انہیں یہ قوت نہ تھی کہ انکی متفقہ طاقتوں کا مقابلہ کرسکتے۔ ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ مدینہ پہنچکر حضرت نے کھلم کھلا پولیٹیکل کام شروع کیا کہ جو سیواجی کے کارناموں سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔ کیونکہ مدینہ میں جس وجہ سے لوگ انکے گروہ میں شامل ہوتے گئے یا شامل کیے گئے وہ خالص آپکے دینیات والٰہیات پر فریفتہ ہوکر نہیں آئے تھے بلکہ زیادہ تر پولیٹیکل فوائد کو مدنظر رکھ کر جھکے تھے۔ اب ہم آپکے پولیٹکس کی نوعیت کو دکھلانیکے لیے آپ کی جنگی طرز عمل کے چند نمونے پیش کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوگا کہ

کامیابی کے لیے آپ نے مکر چھل ۔ بل سب کچھ روا رکھا تھا جو کہ ایک خالص مذہبی اور مجلسی ریفارمر کریکٹر سے کہیں زیادہ بعید ہے ہمارے مسلمان دوست سیوا جی کے طرز عمل پر بڑی بیباکی سے کٹاکش کرتے ہیں وہ ذرا ان واقعات کو جن کو ہم انہی کی تواریخ سے منتخب کرکے درج کرتے ہیں سینہ پر ہاتھ رکھکر پڑھیں گے۔"

یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ راقم مضمون اپنے مضمون کے شروع میں کہتا ہے کہ لفظ پولیٹکس جہاں جہاں اسلام کے متعلق استعمال کیا ہے اس سے مراد صرف غداری ملکی انقلاب پسندی اور لغویانہ شور شر وغیرہ وغیرہ جیسے مجرمانہ افعال ہیں لیکن وہی مضمون نگار آگے جاکر اپنے ناظرین کو بتلاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ ہر قسم کے مکر و فریب سے کام لیا کرتے تھے اور ایسے ایسے کام کے مرتکب ہوا کرتے تھے جو ایک ریفارمر کے کریکٹر سے بہت بعید ہیں وہ آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کو "خونخوار غازی" کا لقب دیتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بھی الزام لگاتا ہے کہ آپ نے اپنے ذاتی اور پرائیویٹ فایدہ کے لیے بیت المال بنایا ہوا تھا۔ چنانچہ اس کے یہ الفاظ ہیں "ورنہ کافروں سے فدیہ اور جذیہ لے کر انکو کافر رہنے دینا اور خدا پرستوں سے ایک خاص محصول وصول کرکے اپنے خانگی تصرف میں لانا بھلا کونسا دھرم پرچار کا طریقہ ہے ...... آنحضرت کے مشن کی بنیاد میں اگر مذہب کا گارا چونہ تھا تو پولیٹکس کا پتھر ضرور تھا۔ جو بعد کو آپ کے مت کا ایک جزو بن گیا" پھر آگے جاکر لکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چاروں اصحاب سے رشتہ داری کے تعلق کر لیے تھے یہ صرف اس لیے تھا کہ "حضرت کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس کے بجز چار اصحاب کے جو آپ کے جسم کی کامرانی کے چار بنیادی عنصر تھے اور کون جانشینی کا مستحق ہوسکتا تھا...... یہ خوب یاد رہے کہ یہ رشتہ داریاں بھی زیادہ تر پولیٹیکل اغراض ہی کو مدنظر رکھ کر ادھر تو اس غرض سے کی گئی تھیں کہ یہ لوگ جو ابتدا کے رازدار تھے اور سچے جان نثار۔

انکی وفاداری میں فرق نہ آوے اور ادھر چار اصحاب کو فرداً فرداً یہ توقع تھی کہ بعد حضرت کے میں ہی جانشینی کا مستحق ہونگا...... اور حضرت نے اپنی زندگی میں اس کی بابت کوئی وصیت نہیں کی تھی کچھ تو بوجہ اس کے کہ آخری عمر میں جنگ وجدل سے انکو فرصت ہی نہیں ملی تھی اور کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نازک معاملہ کو انہوں نے اپنی زندگی میں چھیڑنا اس لیے قرین مصلحت نہیں سمجھا ہوگا کہ جس کے خلاف ہوگا وہی مخالف ہو جائیگا اور اس سے احتمال تھا کہ شاید نبوت اور الہام وغیرہ کے طلسم کا بھید بھی نہ افشا ہو جائے جس کے وہ سب ابتدا ہی سے راز دار تھے" یہ تمام عبارت "اسلام اور پولیٹکس" سے نقل کی گئی ہے۔ اب ہم اس کے سخت ہجویہ عبارات کے سلسلہ کو مندرجہ ذیل فقرہ نقل کر کے ختم کرتے ہیں۔ "حضرت اور انکے ساتھیوں کے طریق عمل پر سخت حیرت ہوتی ہے کہ یا الٰہی یہ کس طرح سے مذہبی مشن کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے جس کے ارکین کو رات دن جنگ وجدل خون خرابہ لوٹ مار اور نماز و زکوٰۃ وغیرہ کے وصول تحصیل سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی"

باوجود اس تمام گندہ دہانی کے جو آریہ اخبارات کے کالموں میں رات دن شایع ہوتی رہتی ہے اور باوجود اس کے کہ آریہ لیکچرار پلیٹ فارموں پر گندے لیکچر دیتے ہیں آریہ پتر کا یقین کرتا ہے کہ اس کے ہم مذہب معصوم اور بے گناہ ہیں اور بڑی گستاخی اور شوخی سے مسلمانوں پر الزام لگاتا ہے۔ اسی قسم کے الفاظ تھے جیسا کہ اوپر لکھے گئے تھے جو بھاردواج نے اپنے لیکچر میں حاضرین کو مخاطب کر کے کہے تھے اور وہ حاضرین اکثر کے مسلمانوں میں سے تھے مگر پتر کا بیان ہے کہ مضمون بڑی شائستگی اور شستہ عبارت میں ادا کیا گیا ہے۔ ہمارے آریہ ہموطنوں کی شائستگی اور شستہ زبانی بھی نرالی ہے۔ اور اگر اسی کا نام شائستگی ہے تو پھر چوہڑے چمار بھی قابل ملامت نہیں۔

ہم اپنے آریہ دوستوں کو یقین دلاتے ہیں کہ دیانند کے افعال اور کرتوت بھی اس طرز سے بیان کیے جا سکتے ہیں مگر انکو یاد رکھنا چاہیئے کہ غلط بیانیاں جھوٹے الزامات اور پاک لوگوں کی طرف بد ارادے منسوب کرنا مذہب نہیں ہوتا اور ایسی تحریرین جیسی کہ پتر کا میں پائی جاتی ہیں صرف آریہ سماج کے کچھ مضمون نگاروں اور لیکچراروں کو اور جرأت دلاتی ہیں۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان دشمنی اور تفرقہ کو بڑھاتی ہیں۔ ایک طرف تو تفرقہ کو دُور کرنیکا واویلا مچایا جاتا ہے اور دوسری طرف تفرقہ کا سامان خود آریہ سماج بن رہا ہے۔

ہم نے بار بار اس قابل افسوس حالت کی طرف آریہ سماج کے لیڈروں کو توجہ دلائی ہے مگر اسکا اثر اُلٹا ہی ہوا ہے۔ اس لیے اب ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اس معاملہ کی طرف گورنمنٹ کو توجہ دلائی جاوے۔ ہم عام طور سے مذہبی بحث کو بُرا نہیں کہتے۔ نہیں بلکہ ہم جانتے ہیں کہ سخت سے سخت عبارتیں بھی قابل معافی ہو جایا کرتی ہیں جب وہ مباحثہ کے جوش میں استعمال کیجاتی ہیں۔ لیکن اس سختی کی بھی آخر کوئی حد ہونی چاہیئے۔ آریہ سماج کی تحریروں میں صرف سخت کلامی ہی نہیں بلکہ عمداً مسلمانوں کو دُکھ دینا انکا مقصود ہوتا ہے اور غلط بیانی کر کے گندے الزامات جو سراسر بہتان ہیں انکے مقدس بزرگوں پر لگائے جاتے ہیں اور طرز بیان ایسا پُر از تحقیر اور گندہ اختیار کیا جاتا ہے جس سے زیادہ بغض کے لیے ممکن نہیں۔ کیا کوئی دنیا میں مسلمان ہے کہ وہ محولہ بالا عبارتیں اور الفاظ پڑھے اور اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جاوے اور کیا ایسی تحریریں اور مضامین مختلف جماعتوں اور مذاہب میں بے امنی بے چینی اور حقارت کے بڑھانے میں محسوب نہ ہونگی؟ یہ ایک انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے۔ جو کہ ۲۰ فروری کو فروری کے پرچہ میں نکل چکا ہے۔ جلسہ کی رپورٹ شایع ہوئی ہے۔ ہم آیندہ انشاء اللہ اس پر کچھ لکھین گے۔

اسلام

ہر ایک اپنے مذہب کو خواہ وہ کسی مذہب کا پابند ہو سچا مذہب قرار دیتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ نجات اسی کے مذہب میں محدود ہے اور ہر اہل مذہب آیندہ پر رکھتا ہے کہ جو کوئی اس کے مذہب کی تکذیب کریگا وہ آخرت میں سخت عذاب میں گرفتار ہوگا۔ اور وہ کسی طرح سے بھی نجات نہیں پاسکے گا۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ اپنے ساتھ کوئی دلیل نہیں رکھتا۔ اور اس اصل کو مانکر تمام اہل مذہب اپنے مذہب کو سچا قرار دے سکتے ہیں اور کوئی نہیں جو اس کو جھٹلا سکے۔ مگر دراصل یہ بات نہیں کوئی ایسا اصول ہونا چاہیئے جو کسی مذہب کی سچائی کو اسی دنیا میں چمکتے ہوئے سورج کی طرح سچا ثابت کردے۔ اب وہ روشنی کا زمانہ ہے کہ ڈاگمہ اور تحکّم اور سکھا شاہی کی سلطنت قریباً دنیا سے اُٹھتی چلی جارہی ہے۔ آجکل کے زمانہ کا نقشہ قرآن شریف میں اسطرح پر کھینچا گیا ہے وترکنا بعضھم یومئذ یموج فی بعض۔ اور ہم اس دن ایسا کریں گے کہ بعض بعض میں موجوں کی طرح حملہ کریں گے۔ یعنی اس دن ایک مذہب دوسرے مذہب پر حملہ کریگا۔ یہ نقشہ بالکل آجکل کے زمانہ پر صادق آتا ہے۔ سچ ہے نو نقد نہ تیرہ اُدھار۔ ہر ایک کہہ سکتا ہے کہ اس کا مذہب سچا ہے۔ اگر اس سے دلیل پوچھی جاوے تو فوراً جواب دیتا ہے۔ کہ اگر تم اسکو نہ مانوگے تو جہنّم میں داخل ہوگے۔ بھلا یہ کوئی دلیل ہے۔ بلکہ یہ ویسا ہی دعویٰ ہے جیسا پہلا تھا بلکہ اس سے بھی بڑھکر۔ دلیل وہ ہونی چاہیئے جو نقد ہو نہ کہ اُدھار۔ اسی اصول پر اللہ تعالیٰ یہود اور نصاریٰ کا رد کرتا ہے۔ جہاں وہ فرماتا ہے کہ وقالوا کونوا ھوداً او نصاریٰ تھتدوا۔ وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھوداً او نصاریٰ

تلک امانیہم۔ قل ھاتوا برھانکم۔ ان کنتم صادقین۔ اور یہود کہتے ہیں کہ یہودی بننے سے ہدایت ملتی ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسائی بننے سے ہدایت ملتی ہے اس آیت کریمہ میں تو یہودیوں اور عیسائیوں نے الگ الگ یہ دعویٰ کیا ہے کہ انکا ہی مذہب سچا ہے اور ہر ایک یہی کہتا ہے کہ اسی کے مذہب میں ہدایت محدود ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بحث کا ڈھنگ سکھلاتا ہے کہ ہر ایک مدعی مذہب کو اس کے مسلمات سے جواب دینا چاہیئے۔ اس لیے فرماتا ہے قل بل ملۃ ابراھیم حنیفاً و ما کان من المشرکین۔ یہ آیت مندرجہ بالا آیت کے ساتھ ہی آگے بیان فرمائی گئی ہے چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں مذہبوں میں مسلم ہیں تو انکو یہ جواب دیا گیا ہے۔ کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سچا مانتے ہو اور تمہارا اعتقاد ہے کہ وہ راستباز انسان تھا۔ پس بموجب تمہارے امر مسلمہ کے جو شخص اس کی پیروی اختیار کرے گا وہ ہدایت پاجاویگا اور اس سے وہ انکار نہیں کرسکتے۔ کہ ابراہیم کا مذہب سچا مذہب ہے اور ابراہیم علیہ السلام ایسے عظیم الشان انسان ہیں کہ دنیا خصوصاً عیسائی دنیا۔ یہودی اور مسلم دنیا انکو اپنا باپ ماننا خواہ مذہبی خواہ دنیاوی اپنا فخر خیال کرتی ہے۔ حالانکہ یہودی مت اور عیسائی مت ابراہیم کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یا اھل الکتاب لم تحاجّون فی ابراھیم وما انزلت التوراۃ والانجیل الا من بعدہٖ افلا تعقلون۔ ھاانتم ھٰؤلآء حاججتم فیما لکم بہ علم فلم تحاجون فیما لیس لکم بہ علم۔ واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔ ما کان ابراھیم یھودیاً ولا نصرانیاً ولکن کان حنیفاً مسلما وما کان من المشرکین۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اہل کتاب (اہل کتاب سے مراد ہر دو یہودی اور نصرانی ہیں) تم کیوں ابراہیم کے بارہ میں جھگڑتے ہو۔ حالانکہ تورات اور انجیل جنکی بنا پر یہودی مت اور عیسائی مت قایم ہوئے ہیں ابراہیم سے پیچھے اُتری ہیں۔

تمھیں اتنی عقل بھی نہیں ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانوں میں کتنا بڑا بعد ہے۔ تمھیں اتنا تو چاہیئے کہ جن باتوں میں تمکو علم ہوا کرے انہیں تو بحث کر لیا کرو اور بھلا ایسی باتوں میں کیوں بحث کیا کرتے ہو جن میں تمکو کچھ بھی علم نہیں۔ دیکھو جو اللہ کہتا ہے وہ ٹھیک ہے کیونکہ وہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ یہ سچی بات ہے کہ ابراہیم نہ تو یہودی تھا اور نہ نصرانی۔ اس کا مذہب یہ تھا کہ خدا کے احکام آگے وہ اپنی گردن ڈال دیا کرتا تھا خواہ وہ حکم الٰہی کسی وقت اُترے اور خواہ کسی پر اُترے۔ حالانکہ تم وہ ہو۔ کہ جب تم کو کہا جاوے اٰمنوا بما انزل اللّٰہ قالوا نؤمن بما انزل علینا و یکفرون بما وراءہ۔ یعنی ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام پر تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اُن ہی احکام کو مانتے ہیں جو ہم پر اُتارے گئے ہیں اور انکار کرتے ہیں ص حالانکہ وھو الحق مصدقا لما معھم۔ یعنی انکے پاس جو سچائیاں ہیں انکی وہ تصدیق کرتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اسکا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ وسی سچائیاں ہیں جیسا کہ انکی کتب میں ہیں۔ افتؤمنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض لیکن جو بعض احکام الٰہیہ کو مانتا ہے اور بعض سے انکار کرتا ہے اسکو دنیا میں ذلت اور خواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فما جزاء من یفعل ذٰلک منکم الا خزی فی الحیٰوۃ الدنیا و یوم القیامۃ یردون الی اشد العذاب یعنی جو ایسا کرے تم میں سے اس کی کیا سزا ہو سکتی ہے سوائے اس کے کہ اسکو دنیا ہی کی زندگی میں ذلت اور خواری ہو گی۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہو جائیگا کہ قیامت کے دن اسکو سخت عذاب میں گرفتار ہونا ہو گا۔ اس بیان سے اتنا تو ثابت ہو گیا ہے کہ کسی کا دعویٰ کرنا کہ اس کا مذہب سچا ہے بلا دلیل قابل سماعت نہیں ہو سکتا۔ اور وہ مذہب قابل سماعت ہو سکتا ہے جس مذہب میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو سب پر مقدم کیا گیا ہے۔ اور یہی ابراہیم کا مذہب تھا۔ و ابراھیم الذی وفّٰی۔ ابراہیم

ص ایسے احکام جو حسب عادات و ضرورت نازل کئے گئے ہیں

وہ تھا جس نے خدا کے تمام احکام کو پورا کر دکھایا۔ اور اپنے جان و مال سے بھی اس کی راہ میں خرچ کرنیسے دریغ نہیں کیا اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن یرغب عن ملة ابراھیم الا من سفه نفسه ولقد اصطفیناه فی الدنیا وانه فی الآخرة لمن الصالحین۔ اذ قال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العٰلمین۔ اور کون حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب سے مُنہ موڑ سکتا ہے مگر وہی شخص جس نے اپنے تئیں بیوقوف بنالیا ہے۔ حالانکہ اس کے مذہب کے سچے ہونیکی بڑی دلیل موجود ہے اور وہ دلیل نقد دلیل ہے نہ اُدھار۔ اور وہ دلیل یہ ہے کہ ہم نے اسکو دنیا میں برگزیدہ کیا۔ کیا دنیا میں کوئی ایسی نظیر ہے کہ وہ جھوٹا ہو اور پھر عزت پا جاوے۔ انه لا یفلح الظالمون۔ ظالم کبھی مظفر و منصور و بامراد ہوتے ہی نہیں۔ ابراہیم دنیا میں ایسا مظفر و منصور ہوا ہے کہ دنیا کو انکار کی گنجایش ہی نہیں رہتی۔ دنیا میں بڑے مذہب چار ہیں۔ یہودی۔ عیسائی۔ مسلمان۔ بُت پرست۔ پہلے تین مذہب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو راستباز۔ مقدس اور اپنا امام اور پیشوا سمجھتے ہیں۔ اور مسلمان تو ہر وقت کما صلیت علیٰ ابراھیم کا ورد رکھتے ہیں۔ چونکہ مانا گیا ہے کہ زمین گول ہے اور اس لیے زمین پر ہر وقت نماز پڑھی جاتی ہے اس لیے لابدی طور سے حضرت ابراہیم پر بھی ہر وقت درود پڑھا جاتا ہے۔ کیا کوئی دنیا میں ایسی نظیر ہے کہ ایک کاذب مدعی کی اتنی عزت کی گئی ہو جیسی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عزت کی گئی ہے اور کیجارہی ہے۔ بے شک قرآن شریف کی پیشگوئی سچی ہے جسمیں لکھا ہے۔ وترکنا علیه فی الآخرین۔ سلام علیٰ ابراھیم۔ کذٰلك نجزی المحسنین۔ انه من عبادنا المؤمنین۔ وجعلنا لھم لسان صدق علیا۔ اور ہم نے حضرت ابراہیم پر ہمیشہ کے لیے سلام کو پچھلے لوگوں میں رکھ چھوڑا ہے۔ ایسی ہی جزا ہم محسنوں کو دیا کرتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا

اور ہم نے اسکو زبان کا راستباز اور بڑے بلند مرتبہ والا بنایا۔ اب چونکہ وہ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام دنیا میں ایک مسلم راستباز انسان ہے اور اس کی کامیابی ہر ایک پر واضح اور روشن ہے۔ اتنی کھلی کامیابی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نصیب ہوئی ہے کہ انکے مخالف بادشاہوں کے نام تک لوگ نہیں جانتے اور کوئی بھی فرد بشر نہ ہوگا جو حضرت ابراہیمؑ کے نام سے آشنا نہ ہو۔ کہاں ہیں وہ جنہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا تھا اب آکر دیکھیں کہ کس کی عزت دنیا میں زیادہ ہے۔ تو کیا اب جبکہ حضرت ابراہیمؑ کی کامیابی سے دنیا بھی انکار نہیں کر سکتی تو وہ خدا جس کی فرمانبرداری انہوں نے کی تھی اور اس فرمانبرداری کا نتیجہ انہوں نے اسی دنیا میں دم نقد پالیا تھا۔ تو کیا اس سے صاف طور پر یہ ثابت نہ ہوگا کہ اس کا مذہب سچا ہے اور اس کے مذہب کو دنیا میں بھی بطور نسخہ کے استعمال کر لیا گیا ہے اور اس نے تشفی بخش نتائج انکو عطا کیے ہیں جنہوں نے اسکو برتا ہے۔ اگر اربعہ متناسبہ کا قاعدہ درست ہے اور بے شک وہ قاعدہ دنیا میں مسلم طور پر درست مانا گیا ہے تو بیشک یہ ماننا پڑیگا کہ آخرت میں بھی حضرت ابراہیمؑ صالحین یعنی سنوار کرنیوالے گروہ میں سے ہوگا۔ یہ کامیابیاں۔ یہ برکات یہ شان۔ یہ جاہ و جلال اور یہ حشمت اور عظمت جو حضرت ابراہیمؑ کو اس دنیا میں حاصل ہیں اسکا کیا سبب ہے۔ کیا خدا تعالیٰ کوئی طرفدار ہے نہیں۔ بلکہ جو اسکا ہو جاتا ہے تو خدا بھی اسکا ہو جاتا ہے اور نتیجۃً خدا اس کو ہر بات میں بامراد مظفر و منصور کرتا ہے۔ بلکہ وہ فرماتا ہے کہ خدا کا کسی سے رشتہ نہیں۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ جو خدا کی طرف ایک قدم اُٹھاتا ہے خدا اس کی طرف دو قدم چلکر آتا ہے اور جو اسکی طرف چلکر آتا ہے خدا اسکی طرف دوڑ کر آتا ہے والذین اھتدوا زادھم ھدی واتاھم تقواھم جو ہدایت پر قایم ہوے ہیں اللہ انکی ہدایت کو بڑھا دیتا ہے اور انکو اپنا تقویٰ عطا کرتا ہے۔ یہ سب کچھ انکو کیوں ملا تھا۔ اسکو اگلی آیت واضح طور سے بیان کرتی ہے

اذ قال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العلمین۔ کیونکہ جب اسکو اس کے
ربنے فرمایا کہ تو میرے حکموں کے آگے اپنی گردن ڈال دے اور اپنی مرضی کو
میری مرضی کے ماتحت کرلے۔ تو اس نے کہا کہ مینے تو پہلے ہی تمام جہانوں کے
ربکے احکام کے آگے سر تسلیم خم کیا ہوا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اتنی کامیابی ہوئی ہے کہ مذہب اسلام بھی انہی کی دعا
کا نتیجہ ہے۔ انکی دعا یہ تھی ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم ایاتك
ویعلمھم الکتاب والحکمة ویزکیھم انك انت العزیز الحکیم جسکا مطلب
یہ ہے کہ اے ہمارے رب اور ان میں یعنی حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے جو امت مسلمہ
ہوگی ایک رسول بھیجنا جو انہی میں سے ہو اور انپر تیری آیات کو پڑھے اور ان کو
کتاب اور مضبوط اور پکی باتیں سکھاوے اور انکا تزکیہ نفس کرے۔ بیشک تو
بڑا غالب ہے اور بڑی حکمت والا ہے۔ کیا دنیا میں کوئی ہے جو اس دعا کی استجابت
سے انکار کرسکے؟ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا ہے اور اس نے اس
دعا کو سنا ہے اور اسکو منظور کیا ہے؟ اور کیا اس دعا نے خارج طور پر اپنا
اثر نہیں دکھایا؟ پس چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود مُسلم تھا۔ اسنے دعا بھی
امت مسلمہ کیلیے کی ہے اور اسی دعا کا نتیجہ ہے کہ اسلام دنیا میں آیا ہے۔ اسلیے
یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ جواب دینا بالکل صحیح اور درست ہے کہ یہودی اور عیسائی
بننے سے کیا ہوتا ہے۔ بلکہ ملت ابراہیمؑ کی پیروی کرنی چاہیئے کیونکہ وہ حنیف مُسلم
تھا۔ اور اس کا اصول فرمانبرداری کرنا تھا اسی لیے اللہ ایک اور جگہ پر وضاحت سے
بیان کرتا ہے۔ ومن احسن دیناً ممن اسلم وجھه لله وھو محسن و اتبع
ملة ابراھیم حنیفاً۔ واتخذ الله ابراھیم خلیلاً۔ اور کس کا مذہب
اس کے مذہب سے بہتر ہو سکتا ہے جس نے اپنی تمام توجہ کو اللہ کے حضور سونپ دیا ہو

اور اپنی گردن کو اللہ کے احکام کے آگے ڈال دیا ہو اور وہ اسطرح سے اللہ کی فرمانبرداری
کرتا ہے کہ گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے یا اتنا تو سمجھتا ہے کہ اللہ اسکو دیکھ رہا ہے۔ اور
وہ ابراہیمؑ کے طریقہ کی پیروی کرتا ہے یعنی اسلمت لرب العلمین کا اپنے تئیں
قولاً و فعلاً مصداق بناتا ہے۔ کیونکہ ابراہیمؑ کی راہ اختیار کرنیسے انسان اللہ
تعالیٰ کا دوست بنجاتا ہے۔ کیونکہ ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنایا ہوا تھا
پس جو کوئی اس جیسے کام کریگا اور اس کے طریقہ پر عمل کریگا وہ بھی بفحوائے کذلك
نجزی المحسنین خلیل اللہ بنجا جائیگا۔

اب تک جو ہم نے لکھا ہے وہ وقالوا کونوا ھودًا او نصاری تھتدوا
کے متعلق ہم نے بیان کیا ہے۔ کہ یہودیت اور عیسائیت میں ہدایت نہیں مل سکتی
بلکہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے میں ہے۔ اور ہم نے مثال دیکر ثابت
کر دیا ہے۔ کہ صرف اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا ہی سچا مذہب ہے۔ اور اس کا ثبوت
تمام راستبازوں کی لائفوں کے پڑھنے سے من کل الوجوہ اظہر من الشمس ہو جاتا ہے۔

اب ہم دوسری آیت کو لیتے ہیں جو ہم شروع میں لکھ آئے ہیں وہی ہذہ۔ قالوا
لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودًا او نصاریٰ۔ تلك امانیھم۔ قل ھاتوا
برھانکم ان کنتم صادقین۔ یعنی یہودیوں نے کہا کہ ہرگز کوئی نجات نہیں پا سکیگا
اور جنت میں داخل نہیں ہوئیگا مگر ہاں وہی جو یہودی ہوا اور عیسائیوں نے بھی کہا کہ
کوئی بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا مگر وہی جو عیسائی ہوا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے
یہ انکی جھوٹی خواہشیں ہیں۔ ان سے کہدو کہ اپنے ان دعووں کی دلیل لاؤ اگر تم سچے
ہو۔ دعویٰ بلا دلیل کسی کام کا نہیں ہوتا۔ اسطرح بلا دلیل دعویٰ ہر ایک کر سکتا ہے۔
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نجات حاصل کرنیکا سچا اور واقعی سبب بیان کرتا ہے کہ کسطرح
نجات مل سکتی ہے اور یہ بھی بیان کرتا ہے کہ دنیا کو کسطرح معلوم ہو کہ اس نے نجات

پائی ہے۔ اور دوسروں نے نہیں پائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے من اسلم وجہہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیہم ولا ھم یحزنون یعنی ہاں وہی شخص نجات کا مستحق ہوسکتا ہے اور وہی نجات پاکر جنت میں داخل ہوگا جس نے اپنی توجہ کو اللہ کے حضور سپرد کردیا ہے اور اپنی گردن کو اس کے حکموں کے آگے جھکا دیا ہے اور اس کے طرح سے احکام الٰہیہ کے آگے گردن ڈالنے سے اسکو یہ مدنظر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوجاوے اور ایسے طریقہ سے اسکی فرمانبرداری میں لگا رہتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ اسکے سامنے ہے جس کو یہ دیکھ رہا ہے اور وہ اسکو دیکھ رہا ہے پس ایسے آدمی کو اسی دنیا میں اس کے رب کی طرف سے اجر ملتا ہے۔ اور اسکی نشانی یہ ہے کہ انپر سے دنیا کے تمام خوف دور ہوجاتے ہیں اور کبھی انکو ایسا موقع نہیں آتا۔ کہ انپر حزن اور غم کو راہ ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی لائیف اس کو خوب صاف اور واضح کرتی ہے۔ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں نہ اپنے نفس کی پرواہ کی ہے یہانتک کہ اولاد کے ذبح کرنیکو محض ایک رویا کی بناپر تیار ہوگئے ہیں اپنے مال اپنے نام اور اپنی تمام خواہشوں کی قربانی کردی ہے تو دیکھو اس کے بدلہ میں انکو کیا ملا۔ انکی اتنی اولاد ہے کہ کبھی کسی گنتی اور شمار میں نہیں آتی۔ انکے نام پر کروڑوں مسلمان اور دیگر اقوام صلوٰۃ اور سلام بھیجتی ہیں۔ اور انکو خود یہ مرتبہ ملا کہ تمام جہان میں امام بنائے گئے ہیں انی جاعلك للناس اماما۔ انہی کی شان میں وارد ہے۔ اولاد میں حضرت موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ۔ داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ یوسفؑ اسحاقؑ۔ اسمٰعیلؑ۔ یعقوبؑ اور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے نور پیدا ہوئے۔ اور ملک انکو اتنے ملے کہ تمام براعظموں پر آپ ہی کے نام لیوے حکومت کر رہے ہیں۔ بے نصیب وہ ہیں جو آپکے نام لیوؤں میں شامل نہیں ہیں۔

اس ہمارے تمام مضمون کا خلاصہ کیا ہوا۔ خلاصہ یہ ہوا۔ کہ فرمانبرداری اللہ کو مرغوب ہے اور صرف اللہ کی فرمانبرداری کرنا ہی مذہب قابل پذیرائی ہو سکتا ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام۔ یعنی اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی سچا مذہب ہے اور جو اس سے منہ پھیریگا اور اس کے سوائے کوئی اور مذہب تلاش کرے گا تو وہ مذہب اس سے قبول نہ کیا جاویگا اور اس لیئے نتیجہ میں وہ زیان کاروں میں سے ہو جاویگا۔ ومن یتبغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وھو فی الاخرة من الخاسرین۔

پس خلاصہ ہمارے مضمون کا یہ ہوا۔ کہ بلا دلیل کوئی مذہب سچا ٹھہر نہیں سکتا اور دعوی بلا دلیل قابل سماعت نہیں ہوتا۔ اور کہ دلیل نقد ہونی چاہیئے نہ کہ اُدھار اور نقد دلیل صرف اسلام میں ہی ملتی ہے۔ اور اسلام پر چلکر انسان دنیا میں بھی مظفر و منصور اور کامیاب ہو جاتا ہے اور اس لیے وہ آخرت میں نجات پا جائے گا۔ اس لیے ہر ایک مسلمان پر لازم اور واجب ہے کہ وہ اپنے نام کا پاس کرے۔ اور جیسا کہ وہ مسلمان کہلاتا ہے اپنے اندر حقیقی اسلام کو بھی داخل ہونے دے اسی لیے تو اللہ تعالی فرماتا ہے یا ایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافة۔ ای ایمان والو! اسلام میں کامل طور سے داخل ہو جاؤ۔ یعنی تمہارے تمام اعضا اور جوارح اسلام کے احکام کے مطابق فرمانبرداری میں لگ جاویں۔ یہ چند سطور صرف لفظ اسلام پر لکھی گئی ہیں انشاء اللہ بتوفیقه تعالی ہم آئندہ ایک سلسلہ آرٹیکل کا شروع کریں گے کہ وہ اسلام کیا ہے اور اس کے احکام کیا ہیں۔ جنپر چلنے سے انسان خلیل اللہ بن سکتا ہے۔ و اخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین۔

رؤیا والہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۹- فروری ۱۹۰۸ء- (۱) انت امامٌ مبارکٌ- ترجمہ- تُو امامِ مبارک ہے۔

(۲) لعنۃ اللّٰہ علیٰ من کفر- ترجمہ- اللہ کی لعنت اُسپر جس نے انکار کیا۔

(۳) انّی معک فی السماءِ والارض- ترجمہ- مَیں تیری ساتھ ہوں- آسمان اور زمین میں

(۴) انّی معک فی الدنیا والآخرۃ- ترجمہ- مَیں دنیا اور آخرت میں تیرے ساتھ ہوں-

(۵) ان اللّٰہ مع الذین اتقوا و الذین ھم محسنون- ترجمہ- اللہ ساتھ ہے انکے جو تقویٰ اختیار کریں اور جو نیکو کار ہیں۔

(۶) اینما ثقفوا اُخذوا و قتلوا تقتیلاً- ترجمہ- جہاں کہیں پائے گئے پکڑے جائیں گے اور ہلاک کیے جاویں گے۔

(۷) لا تقتلوا زینب - ترجمہ - زینب کو قتل نہ کرو۔

(۸) "آسمان ایک مٹھی بھر رہ گیا"

۱۱- فروری ۱۹۰۸ء- یا مسیح اللّٰہ عدوانا- ترجمہ- اے اللہ کے مسیح ہماری شفاعت کر۔

ظفرکم اللّٰہ ظفراً مبیناً-

۷ مارچ ۱۹۰۸ء - "ماتم کدہ" - فرمایا اس کے متعلق کوئی تفہیم نہیں ہے- پھر غنودگی میں دیکھا کہ ایک جنازہ آتا ہے۔

تعلیم دینے کے لیے ہے۔ جس میں علاوہ مروجہ مضامین کے دینیات اور عربی کی تعلیم بھی دیجاتی ہے اور ایک مدرسہ عربی مولوی فاضل تک تعلیم دینے کے لیے ہے جس میں علاوہ مولوی فاضل کی تعلیم کے دینیات کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم اور اسکے ساتھ تھوڑی انگریزی اور کسیقدر دیگر مضامین مروجہ اور طب کی تعلیم بھی دیجاتی ہے ایک گرلز سکول لڑکیوں کی تعلیم کے لیے بھی ہے اور تین برانچ سکول دیہات میں ہیں۔ ان اخراجات کو پورا کرنیکے لیے حضرت اقدس نے یہ لازمی قرار دیا ہے کہ سب احباب مدرسے کے لیے حسب استطاعت چندہ دیں۔ نیز جن احباب کے بچے تعلیم کے قابل ہیں وہ انکو تعلیم کے لیے اسجگہ بھیجیں۔

(۳) مساکین اور یتامیٰ کی مدد۔ اس کے لیے تین الگ الگ فنڈ ہیں۔ ایک مساکین کے لیے۔ ایک یتامیٰ کے لیے۔ اور تیسری مد زکوٰۃ کی ہے قربانی کی کھالوں کا روپیہ مسکین فنڈ میں جمع ہوتا ہے۔ اور مساکین اور یتامیٰ کے لیے ذی مقدرت احباب مستقل طور پر بھی مدد کرتے ہیں۔ زکوٰۃ کا روپیہ بھی احباب کو چاہیئے کہ حتی الوسع یہاں بھیجا کریں۔

(۴) مقبرہ بہشتی کا انتظام۔ اس کے لیے رسالہ الوصیت کو دیکھنا چاہیئے۔

اطلاع:۔ خریداران انگریزی پرچہ ریویو آف ریلیجنز کی خدمت میں گذارش ہے کہ مارچ کا پرچہ شایع نہیں ہوسکے گا کیونکہ ایڈیٹر صاحب کو بوجہ چند قومی ضروریات کے کافی فرصت نہیں ملی ہے۔ انشاء اللہ ۲۰ اپریل کو ہر دو پرچہ مارچ اور اپریل کا شایع ہوگا۔

چکی آٹا پیسنے کی یا دھے کا خراس

جس میں فی گھنٹہ ۴ سیر پختہ آٹا پستا ہے۔ دانہ بھی نہیں ٹوٹتا ہے۔ اسے طاقتور ایک بیل ورنہ دو بیل بخوبی چلا سکتے ہیں۔ وزن تخمیناً سات من ۲۰ سیر پختہ ہوگا۔ قیمت اول درجہ مے روپے فی من۔ دوم درجہ ۔ روپے فی من